الحکم

(قادیان دارالامان)

ہفتہ وار

مورخہ ۲۱ و ۲۸ مئی ۱۹۱۱ء

جلد ۱۵ - نمبر ۱۹ - ۲۰

ایڈیٹر شیخ یعقوب علی تراب احمدی

قادیان دارالامان کے کارخانہ انوار احمدیہ سے ہر مہینے انگریزی کی ۷-۱۴-۲۱-۲۸ تاریخ کو شایع ہوتا ہے

انوار احمدیہ پریس قادیان میں باہتمام شیخ یعقوب علی تراب مالک و ایڈیٹر پرنٹر و پبلشر چھپکر شایع ہوا۔

تو کوئی بات انہونی نہیں۔ مگر وہی جو اسکی کتاب اور وعدہ کے برخلاف ہے۔ سو جب تم دعا کرو۔ تو ان جاہل نیچریوں کیطرح نہ کرو۔ جو اپنے ہی خیال سے ایک قانون قدرت بنا بیٹھے ہیں۔ جس پر خدا کی کتاب کی مہر نہیں۔ کیونکہ وہ مردود ہیں۔ ان کی دعائیں ہرگز قبول نہیں ہوں گی۔ وہ اندھے ہیں۔ نہ سوجاکھے۔ وہ مردے ہیں نہ زندے۔ خدا کے سامنے اپنا تراشیدہ قانون پیش کرتے ہیں۔ اور اس کی بے انتہا قدرتوں کی حدبست ٹھیراتے ہیں۔ اور اس کو کمزور سمجھتے ہیں۔ سو ان سے ایسا ہی معاملہ کیا جائیگا۔ جیسا کہ ان کی حالت ہے لیکن جب تو دعا کیلئے کھڑا ہو۔ تو تجھے لازم ہے کہ یہ یقین رکھے۔ کہ تیرا خدا ہر ایک چیز پر قادر ہے تب تیری دعا منظور ہوگی۔ اور تو خدا کی قدرت کے عجائبات دیکھے گا جو ہم نے دیکھے ہیں۔ اور ہماری گواہی رویت سے ہے۔ نہ بطور قصہ کے۔ اس شخص کی دعا کیونکر منظور ہو اور خود کیونکر اس کو بڑی مشکلات کے وقت جو اس کے نزدیک قانون قدرت کے مخالف ہیں۔ دعا کرنیکا حوصلہ پڑے۔ جو خدا کو ہر ایک چیز پر قادر نہیں سمجھتا۔ مگر اے سعید انسان تو ایسا مت کر تیرا خدا وہ ہے جس نے بیشمار ستاروں کو بغیر ستون کے لٹکا دیا۔ اور جس نے زمین آسمان کو محض عدم سے پیدا کیا۔ کیا تو اس پر بدظنی رکھتا ہے کہ وہ تیرے کام میں عاجز آجائیگا بلکہ تیری بدظنی تجھے محروم رکھے گی۔ ہمارے خدا میں بیشمار عجائبات ہیں۔ مگر وہی دیکھتے ہیں۔ جو صدق اور وفا سے اس کے ہو گئے ہیں۔ وہ غیروں پر جو اس کی قدرتوں پر یقین نہیں رکھتے۔ اور اس کے صادق وفادار نہیں ہیں وہ عجائبات ظاہر نہیں کرتا کیا بدبخت وہ انسان ہے جس کو اب تک یہ پتہ نہیں۔ کہ اسکا ایک خدا ہے۔ جو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا۔ اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی **یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان** دینے سے ملے۔ اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے۔ اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ **اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو۔** کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائیگا۔ میں کیا کروں اور کسطرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھلا دوں۔ کس **دف** سے میں بازاروں میں **منادی** کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے۔ تا لوگ سن لیں۔ اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سننے کیلئے لوگوں کے کان کھلیں۔

اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے۔ تم سوئے ہوئے ہو گے۔ اور خدا تعالیٰ تمہارے لئے جاگے گا۔ تم دشمن سے غافل ہو گے اور خدا اسے دیکھیگا اور اس کے منصوبے کو توڑے گا۔ تم ابھی تک نہیں جانتے کہ تمہارے خدا میں کیا کیا قدرتیں ہیں۔ اور اگر تم جانتے تو تم پر کوئی ایسا دن نہ آتا۔ کہ تم دنیا کیلئے سخت غمگین ہو جاتے۔ ایک شخص جو ایک خزانہ اپنے پاس رکھتا ہے کیا وہ ایک پیسہ کے ضائع ہونے سے روتا ہے۔ اور چیخیں مارتا ہے اور ہلاک ہونے لگتا ہے پھر اگر تم کو اس خزانہ کی اطلاع ہوتی کہ خدا تمہارا ہر ایک حاجت کے وقت کام آنیوالا ہے تو تم دنیا کیلئے ایسے بے خود کیوں ہوتے خدا ایک پیارا خزانہ ہے اس کی قدر کرو کہ وہ تمہارے ہر ایک قدم میں تمہارا مددگار ہے تم بغیر اس کے کچھ بھی نہیں۔ اور نہ تمہارے اسباب اور تدبیریں کچھ چیز ہیں۔ غیر قوموں کی تقلید نہ کرو کہ جو بکلی اسباب پر گر گئی ہیں۔ اور جیسے سانپ مٹی کھاتا ہے انہوں نے سفلی اسباب کی مٹی کھائی۔ اور جیسے گدھ اور کتے مردار کھاتے ہیں۔ انہوں نے مردار پر دانت مارے۔ وہ خدا سے بہت دور جا پڑے۔ انسانوں کی پرستش کی اور خنزیر کھایا۔ اور شراب کو پانی کیطرح استعمال کیا۔ اور حد سے زیادہ اسباب پر گرنے سے اور خدا سے قوت نہ مانگنے سے وہ مر گئے۔ اور آسمانی روح ان میں سے ایسی نکل گئی جیسے کہ ایک گھونسلے سے کبوتر پرواز کر جاتا ہے۔ ان کے اندر دنیا پرستی کا جذام ہے جس نے ان کی تمام اندرونی اعضاء کاٹ دیئے ہیں پس تم اس جذام سے ڈرو۔ میں تمہیں حد اعتدال تک رعایت اسباب سے منع نہیں کرتا بلکہ اس سے منع کرتا ہوں کہ تم غیر قوموں کیطرح نرے اسباب کے بندے ہو جاؤ۔ اور اس خدا کو فراموش کر دو جو اسباب کو بھی وہی مہیا کرتا ہے اگر تمہیں آنکھ ہو تو تمہیں نظر آجائے کہ خدا ہی خدا ہے اور سب ہیچ ہے۔ تم نہ ہاتھ لمبا کر سکتے ہو اور نہ اکٹھا کر سکتے ہو مگر اس کے اذن سے۔ ایک مردہ اس پر ہنسی کریگا مگر کاش اگر وہ مر جاتا تو اس ہنسی سے اس کیلئے بہتر تھا۔ خبردار!!! تم غیر قوموں کو دیکھکر ان کی ریس مت کرو کہ انہوں نے دنیا کے منصوبوں میں بہت ترقی کر لی ہے۔ آؤ ہم بھی انہیں کے قدم پر چلیں۔ سنو اور سمجھو کہ وہ اس خدا سے سخت بیگانہ اور غافل ہیں جو تمہیں اپنی طرف بلاتا ہے۔ انکا خدا کیا چیز ہے صرف ایک عاجز انسان۔ اس لئے وہ غفلت میں چھوڑے گئے ہیں میں تمہیں دنیا کے کسب اور حرفت سے نہیں روکتا مگر تم ان لوگوں کے پیرو مت بنو جنہوں نے سب کچھ دنیا کو ہی سمجھ رکھا ہے۔ چاہیئے کہ تمہارے ہر ایک کام میں خواہ دنیا کا ہو۔ خواہ دین کا خدا سے طاقت اور توفیق مانگنے کا سلسلہ جاری رہے۔ لیکن نہ صرف خشک ہونٹوں سے بلکہ چاہیئے کہ تمہارا یہ سچا عقیدہ ہو کہ ہر بات برکت آسمان سے ہی اترتی ہے۔ تم راستباز اسی وقت بنو گے جبکہ تم ایسے ہو جاؤ کہ ہر ایک کام کے وقت ہر ایک مشکل کے وقت قبل اس کے جو تم کوئی تدبیر کرو اپنا دروازہ بند کرو۔ اور خدا کے آستانہ پر گرو کہ ہمیں یہ مشکل پیش ہے اپنے فضل سے مشکل کشائی فرما تب روح القدس تمہاری مدد کرے گی۔ اور غیب سے کوئی راہ تمہارے لئے کھولی جائیگی۔ اپنی جانوں پر رحم کرو اور جو لوگ خدا سے بکلی علاقہ توڑ چکے ہیں۔ اور ہمہ تن اسباب پر گر گئے ہیں۔ یہانتک کہ طاقت مانگنے کیلئے وہ منہ سے انشاء اللہ بھی نہیں نکالتے۔ ان کے پیرو مت بن جاؤ۔ خدا تمہاری آنکھیں کھولے تا تمہیں معلوم ہو کہ تمہارا خدا تمہاری تمام تدابیر کا شہتیر ہے اگر شہتیر گر جائے تو کیا کڑیاں اپنی چھت پر قایم رہ سکتی ہیں؟ نہیں! بلکہ یکدفعہ گریں گی۔ اور احتمال ہے کہ ان سے کئی خون بھی ہو جائیں۔ اسی طرح تمہاری تدابیر بغیر خدا کی مدد کے قایم نہیں رہ سکتیں اگر تم اس سے مدد نہیں مانگو گے اور اس سے طاقت مانگنا اپنا اصول نہیں ٹھیراؤ گے۔ تو تمہیں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ آخر بڑی حسرت سے مروگے یہ مت خیال کرو کہ پھر دوسری قومیں کیونکر کامیاب ہو رہی ہیں۔ حالانکہ وہ اس خدا کو جانتی بھی نہیں جو تمہارا کامل اور قادر خدا ہے اسکا جواب یہی ہے کہ وہ خدا کو چھوڑنے کیوجہ سے دنیا کے امتحان میں ڈالی گئی ہیں۔ خدا کا امتحان کبھی اس رنگ میں ہوتا ہے کہ جو شخص اسے چھوڑتا ہے اور دنیا کی مستیوں اور لذتوں سے دل لگاتا ہے اور دنیا کی دولتوں کا خواہشمند ہوتا ہے تو دنیا کے دروازے اس پر کھولے جاتے ہیں۔ اور دین کی رو سے وہ نرا مفلس اور ننگا ہوتا ہے۔ اور آخر دنیا کے خیالات میں ہی مرتا ہے اور ابدی جہنم میں ڈالا جاتا ہے اور کبھی اس رنگ میں بھی امتحان ہوتا ہے کہ دنیا سے بھی نامراد رکھا جاتا ہے۔ مگر موخر الذکر امتحان ایسا خطرناک نہیں جیسا کہ پہلا۔ کیونکہ امتحان والا زیادہ مغرور ہوتا ہے۔ بہرحال یہ دونوں فریق مغضوب علیہم ہیں۔ سچی خوشحالی کا سرچشمہ خدا ہے۔ پس جب اس حی و قیوم خدا سے یہ لوگ بیخبر ہیں۔ بلکہ لاپرواہ ہیں۔ اور اس سے منہ پھیر رہے ہیں۔ تو سچی خوشحالی ان کو کہاں نصیب ہو سکتی ہے۔ مبارک وہ انسان جو اس راز کو سمجھ لے۔ اور ہلاک ہو گیا وہ شخص جس نے اس راز کو نہیں سمجھا۔ اسی طرح تمہیں چاہیئے کہ اس دنیا کے فلسفیوں کی پیروی مت کرو۔ اور ان کو عزت کی نگاہ سے مت دیکھو کہ یہ سب نادانیاں ہیں۔ سچا فلسفہ وہ ہے۔ جو خدا نے تمہیں اپنی کلام میں سکھایا ہے۔ ہلاک ہو گئے وہ لوگ جو اس دنیوی فلسفہ کے عاشق ہیں۔ اور کامیاب ہیں وہ لوگ جنہوں نے سچے علم اور فلسفہ کو خدا کی کتاب میں ڈھونڈا۔ نادانی کی راہیں کیوں اختیار کرتے ہو۔

۵ خدا کسی کام میں عاجز نہیں آتا۔ ہاں خدا کی کتاب نے دعا کے بارہ میں یہ قانون پیش کیا ہے کہ وہ نہایت رحم سے نیک انسان کیساتھ دوستوں کیطرح معاملہ کرتا ہے یعنی کبھی تو اپنی مرضی کو چھوڑ کر اسکی دعا سنتا ہے جیسا کہ خود فرمایا ادعونی استجب لکم۔ اور کبھی کبھی اپنی مرضی ہی منوانا چاہتا ہے جیسا کہ فرمایا ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع ایسا ہی اسلئے کیا کہ کبھی انسان کی دعا کے موافق اس سے معاملہ کرکے یقین اور معرفت میں اس کو ترقی دے۔ اور کبھی اپنی مرضی کے موافق کرکے اپنی رضا کی اسکو خلعت بخشے اور اس کا مرتبہ بڑھا دے اور اس سے محبت کرکے ہدایت کی راہوں میں ۲

۲ اس کو ترقی دیوے۔ منہ

کیا تم خدا کو وہ باتیں سکھلاؤ گے جو اُسے معلوم نہیں۔ کیا تم اندھوں کے پیچھے دوڑتے ہو کہ وہ تمہیں راہ دکھلادیں۔ **اے نادانو!** وہ جو خود اندھا ہے وہ تمہیں کیا راہ دکھلائیگا! بلکہ سچا فلسفہ روح القدس سے حاصل ہوتا ہے۔ جسکا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے۔ تم روح کے وسیلہ سے ان پاک علوم تک پہونچائے جاؤ گے۔ جن تک غیروں کی رسائی نہیں اگر صدق سے مانگو تو آخر تم اُسے پاؤ گے۔ تب سمجھو گے کہ یہی علم ہے جو دل کی تازگی اور زندگی بخشتا ہے۔ اور یقین کے مینار تک پہونچا دیتا ہے۔ وہ جو خود مردار خوار ہے وہ کہاں سے تمہارے لئے پاک غذا لائیگا۔ وہ جو خود اندھا ہے۔ وہ کیونکر تمہیں دکھا دیگا۔ ہر ایک پاک حکمت آسمان سے آتی ہے۔ پس تم زمینی لوگوں سے کیا ڈھونڈتے ہو۔ جنکی روحیں آسمان کیطرف جاتی ہیں۔ وہی حکمت کے وارث ہیں۔ جنکو خود تسلی نہیں وہ کیونکر تمہیں تسلی دے سکتے ہیں مگر پہلے دل پاکیزگی ضروری ہے پہلے صدق و صفا ضروری ہے پھر اس کے بعد یہ سب کچھ تمہیں ملیگا۔ یہ خیال مت کرو۔ کہ خدا کی وحی آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے۔ اور روح القدس اب اتر نہیں سکتا۔ بلکہ پہلے زمانوں میں ہی اُتر چکا۔ اور میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہر یک دروازہ بند ہو جاتا ہے مگر روح القدس کے اترنیکا کبھی دروازہ بند نہیں ہوتا۔ تم اپنے دلوں کے دروازے کھولدو۔ تاکہ وہ ان میں داخل ہو۔ تم اس آفتاب سے خود اپنے تئیں دور ڈالتے ہو جبکہ اس شعاع کے داخل ہونے کھڑکی کو بند کرتے ہو۔ اے نادان اُٹھ! اور اس کھڑکی کو کھولدے۔ تب آفتاب خود بخود تیرے اندر داخل ہو جائیگا۔ جبکہ خدا نے دنیا کے فیضوں کی راہیں اس زمانہ میں تیرے بند نہیں کیں۔ بلکہ زیادہ کیں تو کیا تمہارا ظن ہے کہ آسمان کے فیوض کی راہیں۔ جنکی اسوقت تمہیں بہت ضرورت تھی۔ وہ تیرے اس نے بند کردی ہیں۔ ہرگز نہیں بلکہ بہت صفائی سے وہ دروازہ کھولا گیا ہے۔ اب جبکہ خدا نے اپنی تعلیم کے موافق جو سورۃ فاتحہ میں سکھلائی گئی گذشتہ تمام نعمتوں کا تیرے دروازہ کھولدیا ہے تو تم کیوں ان کے لینے سے انکار کرتے ہو۔ اس چشمہ کے پیاسے بنو کہ پانی خود بخود آجائیگا۔ اس دودھ کے لئے تم بچہ کیطرح رونا شروع کرو۔ کہ دودھ پستان سے خود بخود اُتر آئیگا۔ رحم کے لائق بنو تا تم پر رحم کیا جاوے اضطراب دکھلاؤ تا تسلی پاؤ۔ بار بار چلاؤ تا ایک ہاتھ تمہیں پکڑلے کیا ہی دشوار گذار وہ راہ ہے جو خدا کی راہ ہے۔ پر اُن کو لئے آسان کیجاتی ہے جو مرنے کے نیت سے اس اتھاہ گڑھے میں پڑتے ہیں وہ اپنے دلوں میں فیصلہ کرلیتے ہیں۔ کہ ہمیں آگ منظور ہے ہم اس میں اپنے محبوب کیلئے جلیں گے۔ پھر وہ آگ میں اپنے تئیں ڈال دیتے ہیں۔ پس کیا دیکھتے ہیں۔

کہ وہ بہشت ہے۔ یہی ہے جو خدا نے فرمایا وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا الخ اے بُرو اور اے نیکو تم میں سے کوئی بھی نہیں جو جہنم کی آگ پر گذر نہ کرے مگر وہ جو خدا کیلئے اس آگ میں پڑتے ہیں وہ بچا دیئے جائینگے۔ لیکن وہ جو اپنے نفس امارہ کیلئے آگ پر چلتا ہے۔ وہ آگ اُسے کھا جائیگی۔ پس مبارک وہ جو خدا کیلئے اپنے نفس سے جنگ کرتے ہیں۔ اور بدبخت وہ جو اپنے نفس کیلئے خدا سے جنگ کر رہے ہیں۔ اور اس سے موافقت نہیں کرتے۔ جو شخص اپنے نفس کے لئے خدا کے حکم کو ٹالتا ہے۔ وہ آسمان میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔ سو تم کوشش کرو جو ایک نقطہ یا ایک شعشہ قرآن شریف کا بھی تم پر گواہی نہ دے تا تم اسی کے لئے پکڑے نہ جاؤ۔ کیونکہ ایک ذرہ بدی کا بھی قابل پاداش ہے۔ وقت تھوڑا ہے اور کار عمر ناپیدا۔ تیز قدم اُٹھاؤ کہ شام نزدیک ہے۔ جو کچھ پیش کرنا ہے وہ بار بار دیکھ لو۔ ایسا نہ ہو کہ کچھ رہ جائے۔ اور زیان کاری کا موجب ہو۔ یا سب گندی اور کھوٹی متاع ہو جو شاہی دربار میں پیش کرنے کے لائق نہ ہو۔

میں نے سنا ہے کہ بعض تم سے حدیث کو بکلی نہیں مانتے اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو سخت غلطی کرتے ہیں۔ میں نے یہ تعلیم نہیں دی کہ ایسا کرو۔ بلکہ میرا مذہب یہ ہے کہ تین چیزیں ہیں جو تمہاری ہدایت کیلئے خدا نے تمہیں دی ہیں۔ سب سے اول قرآن شریف ہے[1] جس میں خدا کی توحید اور جلال اور عظمت کا ذکر ہے۔ اور جس میں ان اختلافات کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ جو یہود اور نصاریٰ میں تھے۔ جیساکہ یہ اختلاف اور غلطی کہ عیسیٰ ابن مریم صلیب کے ذریعہ قتل کیا گیا۔ اور وہ لعنتی ہوا۔ اور دوسرے نبیوں کیطرح اس کا رفع نہیں ہوا۔ اسی طرح قرآن میں منع کیا گیا ہے۔ کہ بجز خدا کے تم کسی چیز کی عبادت کرو نہ انسان کی نہ حیوان کی نہ سورج کی نہ چاند کی۔ اور نہ کسی اور ستارہ کی۔ اور نہ اسباب کی۔ اور نہ اپنے نفس کی۔ سو تم ہوشیار رہو۔ اور خدا کی تعلیم اور قرآن کی ہدایت کے برخلاف ایک قدم بھی نہ اُٹھاؤ۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ جو شخص قرآن کے سات سَو حکم میں سے۔ ایک چھوٹے سے بھی حکم کو ٹالتا ہے۔ وہ نجات دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے پر بند کرتا

[1] قرآن شریف پر شریعت ختم ہو گئی مگر وحی ختم نہیں ہوئی کیونکہ وہ سچے دین کی جان ہے جس دین میں وحی الٰہی کا سلسلہ جاری نہیں وہ دین مُردہ ہے۔ اور خدا اس کے ساتھ نہیں۔ منہ

[2] دوسرا ذریعہ ہدایت کا سنت ہے۔ یعنے وہ پاک نمونے۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل اور عمل سے دکھلائے۔ مثلاً نماز پڑھ کے دکھلائی۔ کہ یوں نماز چاہیئے۔ اور روزہ رکھکر دکھلایا کہ یوں روزہ چاہیئے اسکا نام سنت ہے یعنے روش نبوی جو خدا کے قول کو فعل کے رنگ میں دکھلاتی رہی سنت اسی کا نام ہے تیسرا ذریعہ ہدایت کا حدیث ہے جو آپ کے بعد آپ کے اقوال جمع کئے گئے۔ اور حدیث کا رتبہ قرآن اور سنت سے کمتر ہے۔ کیونکہ اکثر حدیثیں ظنی ہیں۔ لیکن اگر ساتھ سنت ہو تو وہ اس کو یقینی کردے گی۔ منہ

۷۔ حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں اور باقی سب اس کے ظل تھے۔ سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو۔ ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو۔ کیونکہ جیسا کہ خدا نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا ہے۔ اَلْخَیْرُ کُلُّهٗ فِی الْقُرْاٰنِ۔ کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں۔ یہی بات سچ ہے۔ افسوس ان لوگوں پر جو کسی اور چیز کو اس پر مقدم رکھتے ہیں۔ تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے۔ کوئی بھی ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی۔ تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے۔ اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہیں۔ جو بلاواسطہ قرآن تمہیں ہدایت دیسکے۔ خدا نے بڑی بہت احسان کیا ہے جو قرآن جیسی کتاب تمہیں عنایت کی۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ کتاب جو تم پر پڑھی گئی۔ اگر عیسائیوں پر پڑھی جاتی۔ تو وہ ہلاک نہ ہوتے۔ اور یہ نعمت اور ہدایت جو تمہیں دی گئی اگر بجائے توریت کے یہودیوں کو دیجاتی۔ تو بعض فرقے ان کے قیامت سے منکر نہ ہوتے۔ پس اس نعمت کی قدر کرو جو تمہیں دی گئی یہ نہایت پیاری نعمت ہے۔ یہ بڑی دولت ہے۔ اگر قرآن نہ آتا۔ تو تمام دنیا ایک گندے مضغہ کیطرح تھی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آخری باتیں

اس عنوان کے نیچے اس نمبر میں ان امور کا ذکر ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آخری باتوں کے ذیل میں آسکتی ہیں۔ (ایڈیٹر)

قادیان میں آخری وحی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۲۶-۱ اپریل ۱۹۰۸ء کو لاہور تشریف لے گئے۔ اسی روز بوقت ۸ بجے صبح کے آپ پر یہ وحی نازل ہوئی۔ جو آپ کی وفات پر دلالت کرتی تھی۔

مباش ایمن از بازیٔ روزگار اس کے بعد قادیان کوئی موقعہ نہ ملا کہ آپ پر اللہ تعالےٰ کا کلام نازل ہو۔ اس لئے قادیان میں یہ آخری وحی تھی۔

سب سے آخری وحی

لاہور میں آپ پر اللہ تعالےٰ نے سب سے آخری کلام جو نازل فرمایا وہ ۱۷۔ مئی ۱۹۰۸ء کو ان الفاظ میں ہوا۔ انّی مع الرسول اقوم یہ اس دن کا واقعہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور کی تعلیمیافتہ جماعت اور رؤسا لاہور کو تبلیغ فرمانا چاہتے تھے۔ ۱۶-مئی ۱۹۰۸ء کی رات کو آپ کی طبیعت ناساز ہو گئی۔ اور ۱۷ کی صبح کو آپ میں طاقت نہ تھی کہ تقریر کر سکیں۔ لیکن جب یہ الہام ہوا۔ تو آپ وعدہ الہی کے موافق طاقت پاکر کھڑے ہوئے۔ اور ایک زبردست تقریر فرمائی۔ اس سے پہلے جو الہامات حضرت مسیح موعود کو ہوئے وہ بھی آپ کی وفات پر دلالت کرتے تھے الرحیل ثم الرحیل۔ قرب موتہ +

حضرت اقدس کی آخری تقریر لاہور میں

لاہور میں جو تقریر آپ نے سب سے آخری اور جو ۲۵-مئی ۱۹۰۸ء قبل عصر کو فرمائی۔ اس کے بعد آپ کو کسی تقریر کا موقعہ نہیں ملا۔

مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے حضرت اقدس کی خدمت میں بذریعہ اپنے کسی اپنے خاص قاصد ایک خط بھیجا جس میں بعض مسائل مختلف فیہ پر زبانی گفتگو کرنے کی اجازت چاہی۔ اور وعدہ کیا کہ میں بہت نرمی اور پاس ادب سے گفتگو کرونگا۔ حضرت اقدس نے قبل عصر حضرت مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب سے ان کے متعلق دریافت کیا۔ کہ وہ اخلاق کے کیسے ہیں۔ مغضوب الغضب اور فوراً جوش میں آجانے والے یا بھڑک اٹھنے والے طبیعت کے تو نہیں ہیں! اس کے جواب میں بعض اصحاب نے عرض کیا کہ حضور ایسے تو نہیں۔ ان کی طبیعت میں نرمی پائی جاتی ہے۔ البتہ اگر بعض عوام کا ہجوم ان کے ہمراہ ہوگا۔ تو اندیشہ ہے۔ حضرت اقدس خود چونکہ پیغام صلح کے لکھنے میں مصروف تھے اور فرصت نہ تھی۔ اس لئے حضرت اقدس نے مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب سے فرمایا۔ کہ آپ ان کو خط کا جواب لکھ دیں۔ اصل خط انکا ہم بھیجدیں گے اور بے شک نرمی سے اور آہستگی سے ان سے ان مسایل میں گفتگو کریں۔ البتہ اس بات کا خیال رکھیں کہ ان کے ہمراہ سوا چار معزز اور شریف آدمیوں کے اور زیادہ ہجوم نہ ہو۔ اور آپ بھی علیحدگی میں بیٹھکر گفتگو کریں۔ اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ اسی دوران میں کسی دوست نے ان کا یہ عقیدہ پیش کیا کہ وہ حضرت عیسےٰ کو سولی پر لٹکائے جانے کے ہی قایل ہیں۔ اور کہ وہ اپنے اس دعوے کی دلیل میں یہ آیت کریمہ اذ کففت بنی اسرآئیل عنک الخ پیش کرتے ہیں۔ اس پر حضرت اقدس نے

فرمایا

خلاف تواتر امور محسوسہ مشہودہ کی پرواہ نہ کرکے ایسی ایک راہ اختیار کرنا جسکی کوئی بھی دلیل نہیں یہ عقل اور ایمان کے سراسر خلاف ہے۔ میں کوئی نئی بات پیش نہیں کرتا اور نہ ہی میں کسی ایسی بے دلیل بات کے منوانے کی کوشش میں ہوں۔ جسکا قوی ثبوت اور بین شہادت میرے ہاتھ میں نہ ہو۔ میرے ساتھ میری شہادت کیواسطے اس وقت لاکھوں انسان موجود ہیں۔ قوموں کی قومیں اپنی متواتر اور متفقہ شہادت پیش کر رہی ہیں۔ اگر کسی کو کوئی شک و شبہ ہو تو یہودی موجود ہیں۔ نصرانی موجود ہیں۔ ان سے پوچھ لو کہ ان کا اسبارہ میں کیا عقیدہ ہے۔ دونوں متخاصم موجود ہیں۔ ان سے پوچھ لو کہ آیا وہ بھی اسبات کے قایل ہیں جو تم پیش کرتے ہو۔ دیکھو تواتر قومی کو بغیر کسی زبردست دلیل اور حجت نیرہ کے توڑ دینا اور اسکی پرواہ نہ کرنا بہت بڑی بھاری غلطی ہے۔

تعجب کی بات ہے اور یہ کیونکر ہو سکتا تھا۔ کہ کسی دوسرے آدمی کو پکڑ کر خواہ مخواہ بے قصور سولی پر چڑھا دیا جاوے اور وہ چوں بھی نہ کرے۔ اور دہائی بھی نہ دیوے۔ کہ میں تمہارا ساتھی ہوں مجھے کیوں بے گناہ سولی پر چڑھاتے ہو۔ تمہارا اصل ملزم تو بچ گیا۔ اور میں جو کہ تمہارا ہی ساتھی ہوں یہ میرا نام فلانے نام باپ کا بیٹا ہوں۔ یہ میرے رشتہ دار ہیں۔ مجھے کیوں مارتے ہو +

جان کا معاملہ اور یعنی موت کا نشانہ بننا ہے اصل ملزم بچ جاتا ہے۔ ایک بے گناہ بے قصور بے تعلق آدمی سولی چڑھا دیا جاتا ہے۔ اور پھر تعجب یہ کہ بولتا تک نہیں یہ بھید تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا +

علاوہ وحی اور علم غیب کے جو ہمیں خدا نے محض اپنے فضل سے بخشا۔ اور اپنے کلام حق طیبہ کا خاص فیضان جاری کرکے ہمیں اس نے ان امور میں حقیقی علم عطا کیا۔ ہمارا ضمیر اس کو ہرگز ہرگز قبول نہیں کرتا۔ کہ اتنا بھاری تواتر اور کروڑوں انسانوں کی متفقہ شہادت بالکل غلط ہے اور یہ سب جو سمجھے بیٹھے تھے ایک وہم تھا اور خیال غلط۔ دیکھو

تا نباشد چیزکے مردم نہ گویند چیزہا

میں نہیں سمجھتا کہ خدا کو ایسی کمزوری کی کیا ضرورت تھی۔ کیا وہ علی ارحم الراحمین مسیح کو بچانے پر قادر نہ تھا۔ کہ اس کو ایسا ظلم روا رکھنا پڑا۔ اور ایک بیگناہ انسان کی جان خواہ مخواہ ہلاکت میں ڈالی۔

قرآن اور حدیث کے خلاف ایک نئی راہ نکالکر پیش کرنا اسکا بار ثبوت مدعی کے ذمہ ہے +

میرا مطلب اس سے یہ ہے کہ یہ سب امور ایسے نہیں کہ آسانی سے ان کو رد کیا جاوے۔ قرآن شریف میں صرف لفظ توفی ہی کو لیکر دیکھ لو کہ بھلا کسی مقام پر اس کے معنے بجز موت کے کچھ اور بھی ہیں۔ یا مع جسم عنصری کے آسمان پر اٹھائے جانے کے ہیں؟ یہی توفی کا لفظ ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے آیت کریمہ اما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک غور کرکے دیکھ لو پھر یہی توفی کا لفظ ہے۔ جو حضرت یوسف کے حق کے میں وارد ہے۔ پھر ہمیں سمجھ نہیں آتا کہ برخلاف نص قرآنی کے اور تمام انبیاء کے کیوں حضرت عیسےٰ کو یہ خصوصیت دیجاتی ہے +

کتب احادیث میں قریباً ۳۰ سو مرتبہ یہی لفظ توفی کا آیا ہے مگر کہیں بھی بجسد عنصری آسمان پر اٹھائے جانیکے معنے نہیں ہیں۔ جہاں دیکھو یہ لفظ موت ہی کے معنوں میں وارد ہوتا ہے +

اصل میں جو شخص طالب حق نہیں اور محض ایک قسم کی شیخی اور تکبر کیواسطے ایسی خواہش کرتا ہے۔ اس سے

مجھے بدبو آجاتی ہے

میں ایسے آدمی پر اپنا وقت ضایع نہیں کرنا چاہتا۔ جس کو حق کی سچی پیاس نہیں اور جسکی تڑپ خدا اور رسول کے دین کیواسطے نہیں، بلکہ نفس کا بندہ اور نفس کی عزت و جاہ کے واسطے مرتا ہے +

میرے پاس اگر کوئی شخص طلب حق اور رضاء الٰہی کی پیاس اور سچی تڑپ لیکر آتا ہے۔ تو مجھے اس سے ایک قسم کی

خوشبو آجاتی ہے

اور پھر میں اس کے واسطے اپنے بازو بچھا دیتا ہوں۔ اور اس کو اپنی آنکھوں سے قبول کرتا ہوں۔ اور جہاں تک مجھ سے بن پڑتا ہے میں اسکی خدمت کو اپنا فخر سمجھتا ہوں۔ مگر ایک ناپاک دل انسان جس میں شرارت پوشیدہ ہوتی ہے۔ اور وہ حق جو نہیں۔ بلکہ دنیا طلب ہوتا ہے۔ تو ہمیں اس سے بدبو آجاتی ہے۔ اور پھر اس کے بعد ہم اس سے کلام کرنا بھی پسند نہیں کرتے +

خدا نے جس بات پر ہمیں قایم کیا ہے۔ وہ یہی ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب مجید میں حضرت مسیح کی موت کو صراحت سے ایک نہیں بلکہ بیسیوں مقام پر ظاہر کر دیا ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل سے شہادت دیدی کہ اس کو مردوں کے ذیل میں دیکھا اور کوئی امتیاز اسکا اور اس عزوں میں بیان نہیں فرمایا +

آج ہندوستان میں ایک لاکھ سے بھی زیادہ مرتد صرف اسی بات سے ہو چکا ہے کہ نام کے مسلمانوں کے عقاید غلط سے عیسائیوں نے مسیح کی فضیلت ثابت کرکے اپنے مذہب سے ناواقف لوگوں کے سامنے اسے پیش کیا۔ اور ان کے اپنے ہی معتقدات میں سے انپر ایسے ایسے الزام دیئے جنکا جواب ان میں سے کسی سے بھی نہ بن پڑا +

مگر یاد رکھو کہ اللہ تعالےٰ نے اس کی کسی بھی خصوصیت کو قایم نہیں رہنے دیا۔ بلکہ ان کی ہر بات کا جواب دیکر خود ان کو ہی خوار کیا ہے +

نصاریٰ نے ایک عقیدہ پکڑا تھا۔ کہ حضرت عیسےٰ چونکہ بن باپ کے ہیں لہذا یہ خصوصیت ان کی خدائی کی پختہ دلیل ہے۔ اور یہ ان کا مسلمانوں پر ایک بھاری اعتراض تھا۔ اور اس سے وہ حضرت عیسےٰ میں ایک خصوصیت ثابت کرکے ان کی خدائی کی دلیل پکڑتے تھے۔ تو اللہ تعالےٰ نے اس کے جواب میں ان کا یوں منہ توڑا اور اس کا رد یوں بیان کیا کہ ان مثل عیسےٰ عند اللہ کمثل آدم الخ یعنے اگر حضرت کی پیدایش اعجازی رنگ میں پیش کرکے تم اس کی

خدائی کی دلیل ٹھہراتے ہو تو پھر آدم بطریق اولےٰ خدا ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اس کا نہ باپ نہ ماں۔ اس طرح سے اول آدم کو بڑا خدا مان لو پھر اسباب کو عیسےٰ کی خدائی کی دلیل ٹھہرانا۔ پس اسطرح سے اللہ تعالےٰ نے اس استدلال کو غلط ثابت کردیا۔ غرض نصاریٰ کے مسیح کو بن باپ کی پیدائش سے ان کی خدائی کی دلیل اور استدلال پکڑنے کو اللہ تعالےٰ نے

آدم کی نظیر پیش کرکے

باطل ٹھہرادیا +

ایک دوسری دلیل نصاریٰ نے مسیح کی خدائی کی یہ پیش کی تھی کہ وہ **زندہ ہیں** اور معہ جسم عنصری آسمان پر خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھے ہیں۔ اور اس امر کیلئے انہوں نے مسیح کی ایک خصوصیت ثابت کرکے اسی کو انکی خدائی کی ایک زبردست دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ اب ہمیں کوئی بتادے کہ اگر توفی کے معنے معہ جسم عنصری کے آسمان پر ہی اٹھائے جانے کے ہیں اور اس کے معنے حضرت عیسےٰ کیلئے موت کے نہیں۔ تو پھر نصاریٰ کے اس اعتراض کا قرآن نے کہاں جواب دیا ہے؟ یا جس طرح ان کی دلیل اول کو ایک نظیر پیش کرکے توڑا تھا۔ اسی طرح کہیں سے ہمیں یہ بھی نکال کر بتادو کہ حضرت مسیح سے پہلے یا پیچھے اور کوئی ایسی بھی نظیر پائی جاتی ہے۔ اور اگر کوئی نظیر نہیں تو یاد رکھو کہ

اسلام آج بھی گیا اور کل بھی گیا!

نصاریٰ تو تم کو خود تمہارے عقیدہ سے ملزم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم خود حضرت عیسےٰ کو زندہ اور جسم عنصری سمیت آسمان پر مانتے ہو حالانکہ تمہارے رسول خاک مدینہ میں مدفون ہیں۔ اب بتاؤ کون افضل ہے۔ عیسےٰ یا محمدؐ؟ افسوس ہے ان نام کے مسلمانوں پر کہ اپنی ناک کاٹنے کیلئے آپ ہی دشمن کے ہاتھ میں چھری دیتے ہیں۔

یاد رکھو کہ اگر خدا تعالےٰ کا یہی منشا ہوتا اور قرآن و حدیث میں حقیقتاً یہی امر اس نے بیان کیا ہوتا۔ کہ واقع میں حضرت مسیح زندہ ہیں اور وہ جسم عنصری آسمان پر بیٹھے ہیں اور یہ عقیدہ بھی حضرت مسیح کے بن باپ کے پیدا ہونے کیطرح خدا کے نزدیک سچا عقیدہ ہوتا تو ضرور تھا کہ اللہ تعالےٰ اس کی بھی کوئی نہ کوئی نظیر پیش کرکے قوم نصاریٰ کو اس امر کے حضرت عیسیٰ کی خدائی کی دلیل پکڑنے سے بند اور لاجواب کردیتا؟ مگر خدا تعالےٰ کے اس امر کی دلیل پیش نہ کرنے سے صاف عیاں ہے کہ اللہ تعالےٰ کا ہرگز ہرگز یہ منشا نہیں جو تم محض افترا سے خدا کے کلام پر تھوپ رہے ہو۔ بلکہ توفی کا لفظ خدا تعالےٰ نے محض موت ہی کے معنوں کے واسطے وضع کیا ہے۔ اور یہی حقیقت اور اصل حال ہے۔ دیکھو ہر ایک خصوصیت جو کہیں کسی خاص شخص کے متعلق بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اسکا ضرور جواب دیا ہے مگر کیا وجہ کہ اتنی بڑی خصوصیت کا کوئی جواب نہ دیا۔ خصوصیت ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے شرک پیدا ہوتا ہے۔ فقط

یہ حضرت اقدس ؑ کی زندگی میں آپ کی آخری تقریر ہے جو آپ نے بڑے زور اور خاص جوش سے فرمائی۔ دوران تقریر میں آپ کا چہرہ اس قدر روشن اور درخشاں ہوگیا تھا کہ حضرت کیطرف نظر اٹھا کر دیکھا بھی نہیں جاتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریر میں ایک خاص اثر اور جذب تھا رعب۔ ہیبت۔ اور جلال اپنے کمال عروج پر تھا۔ بعض خاص خاص تحریکات اور موقعوں پر حضرت اقدس کی شان دیکھنے میں آئی ہوگی۔ جو آج کے دن تھی۔ اس تقریر کے بعد آپ نے کوئی تقریر نہیں فرمائی +

آخری نظم

از ڈاکٹر احمد حسین صاحب لائلپوری جو ۱۶ مئی ۱۹۰۸ء کو حضرت اقدس علیہ السلام کے حضور پڑھی گئی اس نظم کے بعد کوئی نظم حضرت اقدس علیہ السلام کے حضور میں نہیں سنائی گئی!

یارب قادیاں میں میرا مزار ہووے
اور میرا ذرہ ذرہ اس پر نثار ہووے
عبد الکریم یارب جس جا ہوا ہے مدفون!
وہ خاک پاک میری دار القرار ہووے
اس میں مسیح آیا۔ جس نے خدا دکھایا
اس پر خدا کی رحمت بس بیشمار ہووے
آیا تو مسیحا چودہ صدی کے سر پر
آمد پہ کیوں نہ تیرے فصل بہار ہووے
تیرے لئے خدا نے لاکھوں نشاں دکھائے
پھر کیوں نہ تیرا دشمن دنیا میں خوار ہووے
قرآن میں خدا نے یہ لکھ دیا ہے پڑھ لو
گستاخ حق کا دشمن ہر جا پہ خوار ہووے
قرآن کتاب رحماں۔ سکھلائے راہ عرفاں
اس کی طفیل سے دل حق پر نثار ہووے
قرآں ہی بتائی عیسےٰ کی خبر ہم کو
اس کے نزول کا پھر کیوں انتظار ہووے
شیطاں کو یا الٰہی دکھلادے مار کرکے
مشکل یہی ہے باقی کشتی یہ پار ہووے
اے مہدی و مسیحا بہتر خدا سے دعا کر
رحمت خدا کی ہم پر بس بے شمار ہووے
یارب قادیاں میں میرا مزار ہووے
اور میرا ذرہ ذرہ اس پر نثار ہووے

حضرت اقدس ؑ کی لاہور میں آخری پبلک تقریر

اتمام الحجۃ انی مع الرسول اقوم:۔ وحی الٰہی ہے۔ جو کہ ۱۷ مئی ۱۹۰۸ء کی صبح کو خدا کے برگزیدہ نبی خلیفۃ اللہ فی حلل الانبیاء حضرت مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ الف الف صلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی۔ مذکورہ بالا عنوان کے نیچے حضرت اقدس علیہ السلام کی تقریر درج کیگئی ہے۔ وہ تقریر اسی پاک کلام اور تسلی بخش روح افزا وحی کی برکت اور تاثیر کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ ۱۶ مئی ۱۹۰۸ء کو جو کہ اس تقریر سے پہلے کا دن تھا۔ حضرت اقدس کی طبیعت بوجہ دست آجانیکے بہت کمزور ہوگئی تھی۔ اور یہ امید نہ رہی تھی کہ حضرت اقدس ؑ جیساکہ ارادہ کیا گیا تھا۔ اس دعوت کے موقعہ پر تقریر فرما سکیں گے۔ چنانچہ اسی خیال سے آپ نے حضرت حکیم مولانا مولوی نور الدین خلیفۃ کو حکم دیا کہ ان معزز مہمانوں کو کچھ سنادیں مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد جب حضرت مولوی صاحب نے اپنی تقریر کا ابتدائی حصہ شروع ہی کیا تھا۔ آپ بذات خاص تشریف لے آئے۔ اور برابر اڑہائی گھنٹہ تک بڑی پر زور پر تاثیر اور جامع تقریر فرمائی۔ جسکی کہ آپ کی علیل طبیعت سے ہرگز امید نہ کیجا سکتی تھی۔ مگر خدا کا پاک کلام

انی مع الرسول اقوم

یعنے میں نے خود اپنے رسول کیساتھ اس کی تائید اور نصرت کے واسطے کھڑا ہوں کوئی بیفائدہ اور لغو کلام نہ تھا۔ آخر اس خدا نے جس نے یہ کلام نازل کیا دکھا دیا کہ واقعی آپ کا کھڑا ہونا۔ اور اتنی لمبی جامع اور پرجوش تقریر فرمانا خارق عادت اور خدا کی خاص تائید اور نصرت ہی کا نتیجہ تھا۔ جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ تقریر شروع کرنے سے آدھ گھنٹہ پہلے آپؑ کی طبیعت کیسی تھی اور پھر آدھ گھنٹہ بعد انہوں نے کیا دیکھا۔ وہ نظارہ مومنوں کے ایمانوں کی تازگی اور مخلصوں کے اخلاص کی ترقی کا باعث ہوا۔

وہ آخری تبلیغ تھی

جو آپ نے پنجاب کے صدر مقام میں اہل اسلام کے چیدہ معزز اور تعلیم یافتہ روسا کو جمع کرکے پہونچائی۔

بارہ بجے پر آپ نے فرمایا اگر آپ لوگ چاہیں تو میں اپنی تقریر بند کردوں۔ آپ کھانا کھالیں۔ مگر آپ کی تقریر میں وہ دلربائی اور قوت جذب اور تاثیر خدا نے بھر رکھی تھی کہ لوگوں کو اس روحانی لذت نے جسمانی کھانے سے بھی بے پرواہ کر رکھا تھا۔ تمام معزز سامعین نے یکزبان ہوکر جواب میں یہی کہا کہ نہیں آپ تقریر فرماویں۔ وہ کھانا تو روز کھاتے ہی ہیں۔ آج روحانی غذا ہی سہی۔ غرض

اس طرح حضرت اقدس علیہ السلام نے اپنی تقریر ایک بجے کے بعد ختم کی جو ان صفحات میں ہدیہ ناظرین کیجاتی ہے۔ فقط

تکمیل التبلیغ!
و
اتمام الحجۃ

کلمات طیبات حضرت امام الزمان سلمہ الرحمن

۷ ؍ مئی ۱۹۱۱ء ۔ ۱۱ بجے صبح سے ایک بجے دوپہر تک

مجھے اس وقت اس بات کا اظہار ضروری اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ہمیں تین قسم کا شکر کرنا چاہیئے۔ سب سے مقدم اللہ کا شکر ہے۔ جس نے ہمیں زندگی دی صحت دی۔ تندرستی بخشی۔ امن دیا اور اشاعت دین کے لئے سامان مہیا کر دیئے۔ اور حقیقتاً یہی بات یہ ہے کہ اگر خدا تعالےٰ کی ان نعمتوں کا شمار کرنا چاہیں۔ تو ہرگز ممکن نہیں کہ اس خدا کی مہربانیوں اور احسانوں کا شمار کر سکیں اس کے انعامات ہر دو روحانی اور جسمانی رنگ میں محیط ہیں اور جیسا کہ وہ سورۃ فاتحہ میں جو کہ سب سے پہلی سورۃ ہے اور تمام قرآن شریف اسی کی شرح اور تفسیر ہے اور وہ پنجوقت نمازوں میں بار بار پڑھی جاتی ہے اس کا نام ہے ربّ العٰلمین۔ یعنے ہر حالت اور ہر جگہ پر اسی کی ربوبیت سے انسان زندگی اور ترقی پاتا ہے۔ اور اگر نظر عمیق سے دیکھا جاوے تو حقیقت میں انسانی زندگی کا بقا اور آسودگی اور آرام راحت و چین اسی صفت الٰہی سے وابستہ ہے اگر اللہ تعالےٰ اپنی صفت رحمانیت کا استعمال نہ کرے اور دنیا سے اپنی رحمانیت کا سایہ اٹھا لے تو دنیا تباہ ہو جاوے پھر اس سورۃ میں اللہ تعالےٰ نے اپنا نام رحمان اور رحیم رکھا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ کی صفت رحمان اور رحیم کا فرق بیان کر دوں:۔

سو یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کی اس رحمت کا نام جو بغیر کسی عوض یا انسانی عمل محنت اور کوشش سے انسان کے شامل حال ہوتی ہے رحمانیت ہے۔ مثلاً اللہ تعالےٰ نے نظام دنیا بنا دیا۔ سورج پیدا کیا۔ چاند بنایا۔ ستارے پیدا کئے۔ ہوا۔ پانی اناج بنائے ہماری طرح طرح کی امراض کیواسطے شفا بخش دوائیں پیدا کیں۔ غرض اسی طرح کے ہزاروں ہزار انعامات ایسے ہیں جو بغیر ہمارے کسی عمل یا محنت و کوشش کے اس نے محض اپنے فضل سے پیدا کر دیئے ہیں۔ اگر انسان ایک عمیق نظر سے دیکھے تو لاکھوں انعامات ایسے پائیگا اور اس کو کوئی انکار نہ ہوگا اور ماننا پڑیگا کہ وہ انعامات اور سامان راحت جو ہمارے وجود سے ہی پہلے کے ہیں۔ بھلا وہ ہمارے کس عمل کا نتیجہ ہیں۔ دیکھو یہ زمین اور یہ آسمان اور ان میں کی تمام چیزیں اور خود ہماری بناوٹ اور وہ حالت کہ جب ہم ماؤں کے پیٹ میں تھے اور اس وقت تک تولے یہ سب ہمارے کس عمل کا نتیجہ ہیں۔ میں ان لوگوں کا یہاں بیان نہیں کرنا چاہتا جو تناسخ کے قائل ہیں۔ مگر ہاں اتنا بیان کئے بغیر رہ بھی نہیں سکتا کہ اللہ تعالےٰ کے ہمپر اتنے لاانتہا اور انعام اور فضل ہیں کہ ان کو

کسی ترازو میں وزن نہیں کر سکتے۔

بھلا کوئی بتا تو دے کہ یہ انعامات کہ چاند بنایا۔ سورج بنایا۔ زمین بنائی۔ اور ہماری تمام ضروریات ہماری پیدائش سے بھی پہلے مہیا کر دیں یہ کل انعامات کس عمل کے ساتھ وزن کریں؟ پس ضروری طور پر ماننا پڑیگا کہ خدا رحمٰن ہے اور اس کے لاکھوں فضل ایسے بھی ہیں کہ جو محض اسکی رحمانیت کیوجہ سے ہمارے شامل حال ہیں۔ اور اس کے وہ عطایا ہمارے کسی گذشتہ عمل کا نتیجہ نہیں ہیں۔ اور کہ جو لوگ ان امورات کو اپنے کسی گذشتہ عمل کا نتیجہ خیال کرتے ہیں۔ وہ محض کوتہ اندیشی اور جہالت کیوجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ خدا کا فضل اور رحمانیت ہماری روحانی جسمانی تکمیل کیغرض کرتا ہے اور کوئی دعوےٰ نہیں کر سکتا کہ یہ میرے اعمال کا نتیجہ ہیں؟

الرحیم انسان کی سچی محنت اور کوشش کا بدلہ دیتا ہے۔ ایک کسان سچی محنت اور کوشش کرتا ہے۔ اس کے مقابل میں یہ عادت اللہ ہے کہ وہ اس کی محنت اور کوشش کو ضایع نہیں کرتا اور بار برگ و بار کرتا ہے۔ شاذ و نادر حکم عدم کا رکھتا ہے۔ اللہ کی ایک صفت ربّ ہے۔ یعنی پرورش کرنے اور تربیت کرنیوالا کیا روحانی اور کیا جسمانی دونوں قسم کے قوائے اللہ تعالےٰ نے ہی انسان میں رکھے ہیں اگر قویٰ اللہ تعالےٰ ہی نے انسان میں رکھے ہیں۔ اگر قویٰ ہی نہ رکھے ہوتے تو انسان ترقی ہی کیسے کر سکتا۔ جسمانی ترقیات کیواسطے بھی اللہ تعالےٰ ہی کے فضل و کرم اور انعام کے گیت گانے چاہئیں کہ اس نے قویٰ رکھے اور پھر ان میں ترقی کرنے کی طاقت بھی فطرتاً رکھدی:۔

مالک یوم الدین خدا ہے جو جزا سزا ملتی ہے ہم روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ چور چوری کرتا ہے۔ ایک روز نہ پکڑا جاوے گا۔ دو روز نہ پکڑا جائیگا۔ آخر زندان میں جائیگا۔ اور اپنے کئے کی سزا بھگتے گا۔ یہی حال زانی شرابخور اور طرح طرح کے فسق و فجور میں بے قید زندگی بسر کرنیوالوں کا ہے۔ کہ ایک خاص وقت تک خدا کی شان ستاری انکی پردہ پوشی کرتی ہے۔ آخر وہ طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور دکھوں میں مبتلا ہو کر ان کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ اور یہ اسی اخروی دوزخ کی سزا کا نمونہ ہے اس طرح جو لوگ سرگرمی سے نیکی کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کے احکام کی پابندی اور فرمانبرداری انکی زندگی کا اعلےٰ فرض ہوتا ہے۔ تو خدا ان کی نیکی کو بھی ضایع نہیں کرتا۔ اور مقررہ وقت پر انکی نیکی بھی پھل لاتی اور باردار ہو کر دنیا میں ہی ان کیواسطے ایک نمونہ کے طور پر مثالی جنت حاصل کر دیتی ہے:۔ غرض جیسے بھی بدیوں کا ارتکاب کرنیوالے۔ فاسق فاجر۔ شرابخور اور زانی ہیں۔ ان کو خدا کا اور روز جزا کا خیال آنا تو درکنار۔ اسی دنیا میں ہی اپنی صحت۔ تندرستی۔ عافیت۔ اور اعلےٰ قویٰ کھو بیٹھتے ہیں۔ اور پھر بڑی حسرت اور مایوسی سے انکو زندگی کے دن پورے کرنے پڑتے ہیں۔ سل۔ دق۔ سکتہ۔ رعشہ اور اور خطرناک امراض ان کے شامل حال ہو کر مرنے سے پہلے ہی مر رہتے اور آخر کار بے وقت اور قبل از وقت موت کا لقمہ بنجاتے ہیں*

پس انسان کو چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کے احسانات اور انعامات کا جو اس نے انسانی تربیت اور تکمیل کیواسطے مہیا کئے ہیں۔ ان کا خیال کر کے اسکا شکریہ ادا کرے اور غور کرے کہ یہ قوائے اس کو کس نے عطا کئے ہیں۔ اب انسان شکر کرے یا نہ کرے یہ اس کی مرضی ہے۔ مگر اگر فطرت سلیم رکھتا ہے اور سوچکر دیکھیگا۔ تو اس کو معلوم ہوگا کہ کیا ظاہری اور کیا باطنی ہر قسم کے قویٰ اللہ تعالےٰ ہی کے دیئے ہوئے اور اسی کے تصرف میں ہیں چاہے تو ان کو شکر کی وجہ سے ترقی دے اور چاہے تو ناشکری کی وجہ سے ایکدم میں ضایع کر دے۔ غور کا مقام ہے کہ اگر یہ تمام قویٰ خود انسان کے اپنے اختیار اور تصرف میں ہوں۔ تو کون ہے؟ کہ اسکا مرنیکو جی چاہے۔ انسان کا دل دنیا کی محبت کی گرمی کیوجہ سے آخرت سے بیفکری و سردمہری اختیار کر لیتا ہے۔ غافل انسان ایسا نادان ہے کہ اگر اس کو خدا سے پروانہ بھی آجاوے کہ تمہیں بہشت ملیگا۔ آرام ہوگا۔ اور طرح طرح کے باغ اور نہریں عطا ہوں گی۔ تمہیں اجازت ہے اور تمہاری اپنی خواہش اور خوشی پر منحصر ہے کہ چاہتے ہمارے پاس آجاؤ اور چاہے تو دنیا ہی میں رہو۔ تو یاد رکھو کہ بہت سے لوگ ایسے ہوں گے۔ کہ وہ اس دنیا کے گذارہ ہی کو پسند کریں گے اور باوجود طرح طرح کی تلخیوں اور مشکلات کے اسی دنیا سے محبت کریں گے۔

دیکھو عمر کا بھروسہ نہیں زمانہ بڑا ہی نازک آگیا ہے۔ آپ لوگ دیکھتے ہوں گے۔ کہ ہر سال کئی دوست اور کئی دشمن کئی عزیز اور کئی پیارے بھائی اور بہنیں اس دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں۔ اور ہیں سے کوئی عزیز سے عزیز اور قریبی سے قریبی رشتہ دار انسان کے مشکلات کا سہارا دینے والا نہیں ہو سکتا مگر با ایں ہمہ انسان جسقدر محنت اور کوشش اور مجاہدہ ان کے واسطے اور اپنے دنیوی امور کیواسطے کرتا ہے۔ وہ بمقابلہ خدا کے بہت ہی بڑھا ہوا ہے۔ خدا کی عبادت اور فرمانبرداری اور اس کی راہ میں کوشش اور سوز و گداز بہت کچھ نابرابر اعتدال نہیں کیا گیا۔ دنیا حد اعتدال سے باہر ہو چکی ہے دنیوی کاروبار میں ترقی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ترقی ہو رہی ہے مگر بھلا کسی نے ایسی کوشش بھی کی ہے کہ ایکدن اس کی موت کا مقرر ہے۔ اس سے یہ خود اپنے آپ کو یا کوئی دوسرا شخص اس کو باز رکھ سکے یا بچا سکے ہرگز نہیں۔ بلکہ اگر کوئی موت کے یاد دلانیوالا ہوگا۔ تو اس کی بھی پرواہ نہ کریں گے۔ اور ہنسی ٹھٹھے میں ٹال دیں گے اکثر انسان بہت ہی غلطی پر ہیں*

دیکھو یہ نہ سمجھنا۔ کہ ان باتوں سے میرا مطلب یہ ہے۔ کہ تم

تجارت نہ کرو یا کاروبار دنیا کو ترک کرکے بیٹھ جاؤ۔ عیال و اطفال جو تمہارے گلے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اُنکی خبرگیری نہ کرو۔ یا بیوی بچوں اور بنی نوع انسان کے بعض حقوق جو تمہاری ذمہ داری میں داخل ہیں اُنکی پرواہ نہ کرو۔ نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کو بھی بجا لاؤ۔ اور خدا سے غافل نہ ہو جب تم اپنی دنیوی آنی اور فانی ضروریات میں اسطرحکا انہماک اور استغراق پیدا کرو تو خدا سے منہ نہ پھیر لینا۔ اور اس کی رضاجوئی اور خوشنودی کے حصول کے واسطے کوشش نہ کرنا اور خدا سے منہ پھیر لینا بہلا کس عقلمندی کا کام ہے۔ وہ خدا جس نے ابتدا میں پیدا کیا اور درمیانی حالات بھی اسی کے قبضہ اور تصرف میں ہیں اور انجام کار بھی اسی کی حکومت اور اسی کیواسطے پڑیگا اس خدا سے فارغ محض اور غافل ہو جانا اس کا نتیجہ ہرگز خیر نہیں ہو سکیگا۔

وہ خدا جس کے انعامات انسان کے ساتھ ہر حال میں شامل رہتے ہیں۔ اور وہ بیشمار اور بے اندازہ احسانات ہیں۔ اسی کا شکر کرتے رہنا بہت ضروری ہے۔ شکر اسی کو کہتے ہیں۔ کہ سچے دل سے اقرار کرے کہ واقعی اللہ تعالےٰ کی رحمتیں ایسی ہیں کہ بے شمار اور بے اندازہ ہیں۔

دوسری بات جو میں کہتا ہوں اور کہونگا۔ گو بعض لوگ اُسے ظاہری خیال یا بناوٹ یا کچھ ہی سمجھیں اور وہ یہ ہے

کہ گورنمنٹ انگریزی کا احسان ہم مسلمانوں

پر بہت بڑا احسان ہے اور وہ اس قابل ہے کہ اسکا شکریہ ادا کیا جاوے۔ سوچکر دیکھ لو جاننے والے جانتے ہیں کہ اس عہد حکومت سے پہلے سکھوں کے زمانہ میں ہی ہم لوگوں پر کیسے کیسے مشکلات تھے۔ ہمارے باپ دادا کی حالت کیسی خطروں میں گھری ہوئی تھی۔ اور احکام شرعیہ کا رواج تو بجائے خود اذان تک تو اونچی آواز سے کوئی کہہ نہ سکتا تھا۔ بلند آواز سے اذان کہنا ایک ایسا جرم تھا۔ جس کی سزا موت ہوتی تھی۔ کسی قسم کے حلال شرعیہ بھی استعمال نہ کئے جاسکتے تھے۔ بات بات پر انسان کو کیڑے مکوڑوں کیطرح ذلت سے ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ مگر اب آج اس عہد حکومت میں کیسا امن کیسی آزادی ہے۔ کہ ہر ایک مسلمان بشرطیکہ اپنی نیت میں خرابی نہ رکھتا ہو تکمیل دین کیواسطے ہر کام کو آزادی سے ادا کرسکتا ہے۔ چاہے جس زور سے آذانیں کہو نمازیں پڑھو۔ اعمال بجا لاؤ۔ علوم کی تحصیل کرو یا کسی کا ردّ لکھو۔ خواہ خود عیسائیوں کا ردّ لکھو کوئی ناراضگی نہیں۔

ابھی چند روز کا ذکر ہے کہ جناب فنانشل کمشنر صاحب بہادر دورہ کرتے ہوئے قادیان میں تشریف لائے۔ ملاقات کیوقت انہوں نے بیان کیا کہ کیسی آزادی ہے کہ ہر ایک شخص ایک خاص حد تک جو قانون کی حد سے نہ نکلے آزادی سے خیالات کا اظہار کرسکتا ہے۔ کتابیں لکھ سکتا ہے تقریریں کرسکتا ہے۔ اگر کوئی متعصب ہوتا۔ تو عیسائیوں کے ردّ کرنیوالوں پر کم از کم سختی کیجاتی۔ غرض یہ امر اس گورنمنٹ کی انصاف پسندی اور بے تعصبی کا ایک عمدہ نمونہ اور دلیل ہے۔ مگر مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ بات کو اس حد تک نہ پہونچا دے کہ قانونی گرفت کے اندر آ جاوے اور جرم کی حد تک پہونچادے۔ پس یاد رکھو کہ اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر اس کی نافرمانی کرتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص بندے کا شکر نہیں کرتا وہ خدا کا شکر بھی نہیں کرسکتا۔

یاد رکھو کہ گورنمنٹ کی ناراضگی کیوجہ سے بغاوت ہوتی ہے۔ ورنہ جائز طور سے دینی معاملات کی انجام دہی اور امن کی زندگی گذارنے سے گورنمنٹ ہرگز کسی پر عتاب نہیں کرتی ایسے صلحکاری امن پسندی اور انصاف شعاری کے اصول رکھنے والی گورنمنٹ کا شکریہ نہ کرنا ہی گناہ ہے۔ پس مسلمانوں پر عموماً اور ہماری جماعت پر خصوصاً واجب ہے۔ کہ اپنی مہربان گورنمنٹ کا شکریہ بھی کریں۔ اگر یہ گورنمنٹ سر پر نہ ہو تو پھر دیکھ لو کہ کیا حال ہوتا ہے۔ انسان کس طرح سے بے دریغ بھیڑ بکری کیطرح ذبح کئے جاتے ہیں۔ اس گورنمنٹ کی حکومت آئی تو اس پر کیا الزام یہ تو مشیت ایزدی ہے۔ اسی طرح پر واقعہ ہوئی تھی۔ مسلمان بادشاہوں نے اپنے فرائض کو چھوڑ دیا۔ عیش و عشرت میں پڑ کر حکومت اور رعایا کی پرواہ نہ کی۔ عورتوں کیطرح زیب و زینت میں مصروف ہوگئے۔ سیاست و مدن کے امور کو ترک کر دیا خدا نے ان کو نااہل اور ان کو اہل پاکر عنان حکومت انہی کے ہاتھ میں دیدی۔

یہ اگر کسی پر سختی کرتے بھی ہیں تو کسی وجہ سے البتہ اگر کسی معاملہ میں علم نہ ہو تو مجبوری ہے کیونکہ بے علمی کیوجہ سے تو انبیا اور پارسا آدمی بھی غلطی کر بیٹھتے ہیں۔ دیدہ دانستہ ظلم کو ہرگز پسند نہیں کرتے۔ بلکہ سلیم الطبع حکام بعض اوقات ظاہری امور کی پرواہ نہ کرکے اور ان کی تسلی نہ پانیکیوجہ سے مقدمات کی تہ نکالنے کیواسطے اور اصلیت دریافت کرنیکی غرض سے اکثر بڑی محنت اور جانفشانی اور سچی انصاف پسندی سے کام کرتے ہیں۔

ہمارا ہی ایک مقدمہ تھا جو کہ ایک معزز پادری نے ہم پر اقدام قتل کا کیا۔ کہ گویا ہم نے اس کے قتل کرنیکے واسطے آدمی بھیجا۔ عبد الحمید اسکا نام تھا۔ آٹھ نو آدمی گواہ بھی گذر گئے۔ وہی نہیں بلکہ مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب جو کہ مسلمانوں کے پیشوا کہلاتے ہیں۔ انہوں نے بھی ایسی ہی گواہی دی۔ جس منصف مزاج حاکم کی عدالت میں ہمارا مقدمہ تھا اسکا نام ڈگلس تھا۔ اس نے ان سب امور کے ہوتے ہوئے کہا کہ

کہ مجھ سے ایسی بدذاتی نہیں ہو سکتی

کہ اس طرح ایک بیگناہ انسان کو ہلاک کردوں۔ اور حالانکہ مقدمہ مثل پیش کرنیکے لائق ہو گیا تھا۔ مگر اس نے پھر کپتان صاحب پولیس کو حکم دیا کہ اسکی اچھی طرح سے تحقیقات کیجاوے چنانچہ آخر کار اسی عبد الحمید نے اقرار کیا کہ مجھے اصل میں ان پادریوں نے سکھایا تھا۔ کہ میں ایسا کہوں ورنہ اصل میں کوئی بات نہیں۔ یہ معلوم کرکے وہ ایسا خوش ہوا۔ اور ہمیں اس کے تبسم سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایسا خوش ہے۔ جیسا کہ کسی کو بہت سا مال و دولت حاصل ہونے کی بھی اتنی خوشی نہیں ہوتی۔ اور آخر کار روز مجھ کو کہا کہ

مبارک ہو آپ بری کئے گئے!

اب بتلایئے کہ اگر کسی مسلمان کی عدالت میں ایسا مقدمہ ہوتا تو وہ ایسا کر سکتا تھا؟ اور وہ اس طرح سے صفائی اور انصاف کی جستجو کر سکتا تھا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ہمیں تو حالات موجودہ کے ماتحت یہی امید پڑتی ہے۔ کہ اگر کسی مسلمان کے پاس ہمارا ایسا مقدمہ ہوتا۔ تو وہ ہمیں ضرور ہی خوار کرتا آٹھ نو گواہ گذر چکے تھے۔ مسل مکمل ہو چکی تھی۔ اب چھوڑتا تو کیونکر؟ مگر یہ قوم ہے کہ اس کو اسی انصاف کیوجہ سے ہر جگہ فتح نصیب ہوئی ہے۔ جب کوئی جسقدر انصاف اختیار کرتا ہے۔ اسیقدر روشن ضمیری بھی اُسے عطا کی جاتی ہے مخالفت دینی اور مذہبی اور ہے۔ اور حکومت اور چیز ہے۔ اگر عدالت کو مدنظر نہ رکھیں تو ایک دن میں یہ تختہ الٹ جاوے۔

مسلمانوں کا یہ خیال کہ ہمیں اعلےٰ اعلےٰ عہدے کیوں نہیں دیئے جاتے۔ یہ ان کی اپنی غلطی ہے۔ یاد رکھو کہ کوئی کام جب تک پہلے آسمان پر نہ ہولے زمین پر ہرگز نہیں ہوتا خود نیک چلنی اختیار کرو۔ اور اپنی حالت کو سنوارو۔ اس قابل بنو کہ خدا کی نظر میں آسمان پر تم اس قابل ٹھہر جاؤ کہ تمہیں عزت مل سکیں تو پھر خود خدا انہیں سب کچھ دیدیگا اپنی حالتوں کو بدلکر تا خدا بھی تمہارے واسطے کوئی اور راہ بنادے ورنہ یاد رکھو کہ خدا انہیں چھوڑیگا۔ جب تک تم اپنی حالت کو نہیں سنوارو گے!

تیسرا مقام شکر کا یہ ہے کہ یہ خاص خدا کا فضل ہے کہ اس نے آپ لوگوں کے دلوں میں اس طرف توجہ ڈالی اور آپ لوگ یہاں تکلیف اٹھا کر تشریف لائے۔ خدا کرے کہ جسطرح ہم جسمانی طور سے مل بیٹھے ہیں۔ اور جسمانی ملاقات ہوئی ہے۔ اسی طرح ایکدن وہ بھی آوے

کہ روحانی طور سے بھی ہم مل بیٹھیں

خدا نے انسان کو زبان دی اور ایک دل بخشا ہے۔ صرف زبان سے کوئی فتح نہیں ہوسکتی۔ دلوں کو فتح کرنیوالا دل ہی ہوتا ہے۔ اور جو قوم صرف زبانی ہی زبانی جمع خرچ کرتی ہے۔ یاد رکھو کہ وہ کبھی بھی فتحیاب نہیں ہو سکتی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا نمونہ دیکھو کیا ان کے پاس کوئی ظاہری سامان تھے؟ ہرگز نہیں مگر باوجود اس کے کہ وہ بے سرو سامان تھے اور دشمن کثیر اور ہر طرح کے سامان اُسے مہیا تھے۔ ان کو خدا نے کیسی کیسی [illegible] عطا کیں۔ کسی تاریخ میں ایسی کامیابی کی

کوئی نظیر ملتی ہے۔ تلاش کر کے دیکھ لو مگر لاحاصل۔ پس جو شخص خدا کو خوش کرنا چاہتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ اسکی دنیا بھی نیک ہو جاوے۔ خود پاک دل ہو جاوے۔ نیک بنجاوے۔ اور اس کے تمام مشکلات حل اور دکھ دور ہو جاویں۔ اور اس کو ہر طرح کی کامیابی اور فتح و نصرت عطا ہو تو اس کے واسطے اللہ تعالٰے نے ایک اصول بتایا ہے اور وہ یہ ہے کہ قد افلح من زکّٰھا کامیاب ہو گیا با مراد ہو گیا۔ کیا وہ شخص جسنے کہ پاک کر لیا۔ تزکیہ نفس میں تمام برکات اور فیوض اور کامیابیوں کا راز نہاں ہے ✢

فلاح صرف امور دینی ہی میں نہیں بلکہ دنیا و دین میں کامیابی ہو گی۔ نفس کی ناپاکی سے بچنے والا انسان کبھی نہیں ہو سکتا کہ وہ دنیا میں ذلیل ہو۔

میں یہ قبول نہیں کر سکتا کہ فلسفہ ہیئت اور سائنس کا ماہر ہو نیسے تزکیہ نفس بھی ہو جاتا ہے۔ ہرگز نہیں البتہ یہ مان سکتا ہوں کہ ایسے شخص کے دماغی قوٰی تیز اور اچھے ہو جاتے ہیں۔ ورنہ ان علوم کو روحانیت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ بعض اوقات یہ امور روحانی ترقی کی راہ میں ایک روک ہو جاتے ہیں۔ اور آخری نتیجہ اس کا بجز اس خوش قسمت کے کہ وہ فطرت سلیم رکھتا ہے اکثر کبر و نخوت ہی دیکھتا ہے۔ کبھی نیکی اور تواضع ان میں نہیں ہوتی ✢

ایک اور امر قابل یاد رکھنے کے یہ ہے کہ یہ قاعدہ ہے اور قدرت میں داخل ہے کہ ہر چیز ضرورت سے پیدا ہوتی ہے جس طرح ظاہری طور سے ہم دنیوی امور میں ہر روز مشاہدہ کرتے ہیں یہ لباس۔ خوراک۔ سواریاں۔ اور اور آلات معیشت جتنے بھی ہیں یہ تمام ضرورت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے روحانی امور میں بھی بہت سے امور ضرورت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور جب کبھی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ خدا کیطرف سے پوری کیجاتی ہے۔ ضرورت انسان کی روحانی جسمانی تمام امور میں راہ نما ہے۔ اور اسی سے حق و باطل میں امتیاز حاصل ہو سکتا ہے۔ جسطرح کوئی چیز بلا ضرورت اور بے فایدہ نہیں۔ اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھکر ضرورت حقہ کے وقت یہ خیال کرنا کہ خدا نے اس وقت کوئی سامان پیدا نہیں کیا سخت غلطی ہے ✢

اب ہمارا یہ زمانہ جس میں ہم موجود ہیں۔ کیا اندرونی اور کیا بیرونی طور سے اس میں اسقدر مفاسد بھرے ہوئے ہیں کہ جس پہلو پر نظر ڈالو کوئی بھی خوش کن نہیں۔ بیرونی طور پر اسلام پر اس قدر حملے ہوئے ہیں اور اسلام نے اس قدر صدمے اٹھائے ہیں کہ بہت بڑا حصہ مسلمانوں کا ان سے متاثر ہو کر خود دین سے ہی ہاتھ دھو بیٹھا ہے پھر ان کے بعد ایک بہت حصہ مذبذب لوگوں کا پیدا ہو چکا ہے جن کو اسلام کے متعلق اطمینان حاصل نہیں۔ اور وہ بالکل کمزور ہیں۔ باقی یقین کامل رکھنے والے اور علٰے وجہ البصیرت اسلام پر ایمان لانیوالے بہت ہی قلیل ہیں ✢

کئی قسم کے حملے ہو رہے ہیں۔ منقولات کے اسلحہ اسلام پر چلائے جاتے ہیں۔ اور آریہ اور پادری لوگ اعتراضات بوچھاڑ کر رہے ہیں۔ اگرچہ وہ جانتے ہیں کہ خود وہ گندے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں پلہ بھی نہیں۔ لیکن نکتہ چینی کرنا سہل ہے۔ مگر خوبی بیان کرنا مشکل۔

علوم جدیدہ کا بھی ایک قسم کا اسلام پر حملہ ہے۔ آجکل کی تعلیم فلسفہ۔ طبعی۔ اور ہیئت بھی انسان کو ایک غلطی میں ڈالتی ہے۔ میں تجربہ سے دیکھ رہا ہوں کہ اکثر لوگ جنہوں نے خواہ مکمل طور سے ان علوم کو حاصل کیا ہو۔ خواہ ناقص طور سے وہ عمرگا بے قید زندگی اختیار کر لیتے ہیں۔ اور پھر رفتہ رفتہ اسلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت بھی ان کے دلوں سے اٹھ جاتی ہے اور پھر نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے۔ کہ خود خدا سے بھی انکار کر بیٹھتے ہیں۔ ان کے کلام سے ہی ایک قسم کی بدبو آتی ہے اور وہ ایسے معلوم ہوتے ہیں۔ کہ

آج بھی ناتھ سے گئے اور کل بھی گئے!

اور در حقیقت اس گروہ کا حملہ آریوں اور پادریوں سے حملوں سے بھی بڑھا ہوا ہے کیونکہ ان اعتراضات عموماً منقولات کے رنگ میں ہوتے ہیں۔ ان میں صدق و کذب کا احتمال ہوتا ہے۔ مگر یہ لوگ تو اپنا ذاتی تجربہ اور روزانہ مشاہدہ پیش کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اسکا اثر بہت سخت اور برا پڑتا ہے۔

غرض سچی بات یہی ہے کہ اندرونی حملے بیرونی حملوں سے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ اور خطرناک اور زہریلا اثر ڈالنے والے ہیں۔ سچ ہے **انزیاست کہ بر ماست**۔ اصل میں یہ قصور تو مسلمانوں کا ہے۔ جنہوں نے اپنی سادہ لوح اولاد کو بغیر اس کے کہ ان کو قرآن اور اسلام کے ضروری علوم سے آگاہ کریں۔ ان مدرسوں اور کالجوں میں بھیجدیا مانا طلب علم ہر عورت مرد پر فرض ہے جیسا کہ حدیث طلب العلم فریضۃ علٰے کل مسلم و مسلمۃ سے ظاہر ہے۔ مگر اول علوم دینیہ کا حصول فرض ہے۔ جب بچے علوم دینی سے پورے واقف ہو جاویں اور ان کو اسلام کی حقیقت اور نور سے پوری اطلاع ہو جاوے۔ تب ان علوم مروجہ کے پڑھانے کا کوئی حرج نہیں اصل میں ان مسلمانوں کی موجودہ روش بہت ہی خطرناک ہے۔ دیکھو پہلے ایک بازاری عورت کنجری بنا کر پھر توبہ کرائی جاوے۔ تو وہ کیسی توبہ کریگی؟ شراب بدکاری اور بے قید زندگی اسکی عادت ثانی ہو جاوے گی۔ تو اول تو اُسے توبہ کرنا ہی مشکل اور کرے بھی تو وہ کیسی توبہ ہو گی؟ اس کو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے۔ یہی حال ان لڑکوں کا ہے جنکو پہلے فلسفہ اور سائنس کے زہریلے علوم سکھا کر خود خدا کی ہستی پر بھی شبہات پیدا کرائے جاتے ہیں۔ اور پھر ان سے امید کیجاتی ہے۔ کہ وہ اسلام کے شیفتہ ہوں ہمارا یہ ایمان ہے۔ کہ

کوئی فلسفہ اور سائنس خواہ وہ اپنی اس موجودہ حالت سے ہزار درجہ ترقی کر جاوے مگر قرآن ایسی ایک کامل کتاب ہے کہ یہ نئے علوم اس پر غالب نہیں آ سکتے۔

مگر اس شخص کی نسبت ہم کیونکر ایسی رائے قایم کر سکتے ہیں کہ جس کی نسبت ہمیں معلوم ہے۔ کہ اس کو علوم قرآن سے مس ہی نہیں اور اس نے اس طرف کبھی توجہ ہی نہیں کی بلکہ کبھی ایک سطر بھی قرآن شریف کی غور و تدبر سے نہیں پڑھی۔ مثال کے طور پر قرآن کی تعلیم روحانی کا ایک فلسفہ بیان ہوا ہے۔ جو بعد الموت اعمال کے نتیجہ میں انسان کو بہشت کے رنگ میں ملیگا جسکے نیچے نہریں چلتی ہوں گی۔ بظاہر یہ ایک

قصہ ہے مگر قصہ نہیں گو کہ قصہ کے رنگ میں آگیا ہے۔

اس کی حقیقت یہی ہے۔ کہ اس وقت کے لوگ علوم روحانی کے نہ جاننے کی وجہ سے نادان بچوں کیطرح تھے۔ ایسے باریک اور روحانی علوم کے سمجھانیکے واسطے انکو مناسب حال استعاروں سے کام لینا اور مثالوں کے ذریعہ سے اصل حقیقت کو ان کے ذہن نشین کرنا ضروری تھا۔ اسی واسطے قرآن شریف نے بہشت کی حقیقت سمجھانے کیواسطے اس طریق کو اختیار کیا۔ کہ مثل الجنۃ التی وعد المتقون الخ یہ ایک مثال ہے نہ کہ حقیقت قرآن شریف کے ان الفاظ سے صاف عیاں ہے۔ کہ وہ جنت کوئی اور ہی چیز ہے اور حدیث میں صاف یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ ان ظاہری جسمانی دنیوی امور پر وہ جنت کا قیاس نہ کیا جاوے۔ کیونکہ وہ ایسی چیز ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سنی وغیرہ مگر وہ باتیں جن مثال دیکر جنت کی نعمائے کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ تو ہم دیکھتے بھی ہیں۔ اور سنتے بھی ہیں ایک مقام پر قرآن شریف میں اللہ تعالٰے جنت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ و بشر الذین اٰمنوا و عملوا الصّٰلحٰت ان لھم جنّٰت تجری من تحتھا الانھٰر۔ اس آیت میں ایمان کو اعمال صالح کے مقابل پر رکھا ہے۔ جنت اور انہار۔ یعنے ایمان کا نتیجہ تو جنت ہے۔ اور اعمال صالحہ کا نتیجہ انہار ہیں۔ پس جسطرح باغ بغیر نہر اور پانی کے جلدی برباد ہو جانیوالی چیز ہے اور دیرپا نہیں۔ اسی طرح ایمان بے عمل صالحہ بھی کسی کام کا نہیں۔ پھر ایک دوسری جگہ پر ایمان کو اشجار (درختوں) سے تشبیہ دی ہے اور فرمایا ہے کہ وہ ایمان جس کیطرف مسلمانوں کو بلایا جاتا ہے وہ اشجار ہیں۔ اور اعمال صالحہ ان اشجار کی آبپاشی کرتے ہیں۔ غرض اس معاملہ میں جتنا جتنا تدبر کیا جاوے۔ اسی قدر معارف سمجھ میں آویں گے۔ جسطرح سے ایک کرسان کاشتکار کے واسطے ایک جگہ روحانیات کی تخم ریزی ضرور اور لازمی ہے۔ اور پھر جسطرح کاشتکار کھیت یا باغ وغیرہ کی آبپاشی کرتا ہے۔ اسی طرح روحانی باغ ایمان کی آبپاشی کے واسطے اعمال صالحات کی ضرورت ہے یاد رکھو کہ ایمان بغیر اعمال صالح

ی نظر ملتی ہے۔ تلاش کرکے دیکھ لو مگر لاحاصل۔ پس جو شخص خدا کو خوش کرنا چاہتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ اسکی دنیا بھی ٹھیک ہو جاوے۔ خود پاک دل ہو جاوے۔ نیک بنجاوے۔ اور اس کے تمام مشکلات حل اور دکھ دور ہو جاویں۔ اور اس کو ہر طرح کی کامیابی اور فتح و نصرت عطا ہو تو اس کے واسطے اللہ تعالےٰ نے ایک اصول بتایا ہے اور وہ یہ ہے کہ قد افلح من زکٰھا کامیاب ہو گیا بامراد ہو گیا۔ کیا وہ شخص جسنے کہ پاک کرلیا۔ تزکیہ نفس میں تمام برکات اور فیوض اور کامیابیوں کا راز نہاں ہے ؎

فلاح صرف امور دینی ہی میں نہیں بلکہ دنیا و دین میں کامیابی ہوگی۔ نفس کی ناپاکی سے بچنے والا انسان کبھی نہیں ہو سکتا کہ وہ دنیا میں ذلیل ہو۔

میں یہ قبول نہیں کر سکتا کہ فلسفہ ہیئت اور سائنس کا ماہر ہونے سے تزکیہ نفس ہی ہو جاتا ہے۔ ہرگز نہیں البتہ یہ مان سکتا ہوں کہ ایسے شخص کے دماغی قویٰ تیز اور اچھے ہو جاتے ہیں۔ ورنہ ان علوم کو روحانیت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ بعض اوقات یہ امور روحانی ترقی کی راہ میں ایک روک ہو جاتے ہیں۔ اور آخری نتیجہ اس کا بجز اس خوش قسمت کے کہ وہ فطرت سلیم رکھتا ہے اکثر کبر و نخوت ہی دیکھتا ہے۔ کبھی نیکی اور تواضع ان میں نہیں ہوتی ؎

ایک اور امر قابل یاد رکھنے کے یہ ہے کہ یہ قاعدہ ہے اور قدرت میں داخل ہے کہ ہر چیز ضرورت سے پیدا ہوتی ہے جس طرح ظاہری طور سے ہم دنیوی امور میں ہر روز مشاہدہ کرتے ہیں یہ لباس۔ خوراک۔ سواریاں۔ اور اور آلات معیشت جتنے بھی ہیں یہ تمام ضرورت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے روحانی امور میں بھی بہت سے امور ضرورت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور جب کبھی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ خدا کیطرف سے پوری کیجاتی ہے۔ ضرورت انسان کی روحانی جسمانی تمام امور میں راہ نما ہے۔ اور اسی سے حق و باطل میں امتیاز حاصل ہو سکتا ہے۔ جسطرح کوئی چیز بلا ضرورت اور بے فایدہ نہیں۔ اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھکر ضرورت حقہ کے وقت یہ خیال کرنا کہ خدا نے اس وقت کوئی سامان پیدا نہیں کیا سخت غلطی ہے ؎

اب ہمارا یہ زمانہ جس میں ہم موجود ہیں۔ کیا اندرونی اور کیا بیرونی طور سے اس میں اسقدر مفاسد بھرے ہوئے ہیں کہ جس پہلو پر نظر ڈالو کوئی بھی خوش کن نہیں۔ بیرونی طور پر اسلام پر اس قدر حملے ہوئے ہیں اور اسلام نے اس قدر صدمے اٹھائے ہیں کہ بہت بڑا حصہ مسلمانوں کا ان سے متاثر ہو کر خود دین سے ہی ہاتھ دھو بیٹھا ہے پھر ان کے بعد ایک بہت حصہ مذبذب لوگوں کا پیدا ہو چکا ہے جن کو اسلام کے متعلق اطمینان حاصل نہیں۔ اور وہ بالکل کمزور ہیں۔ باقی یقین کامل رکھنے والے اور علیٰ وجہ البصیرت اسلام پر ایمان لانے والے بہت ہی قلیل رہ گئے ہیں ؎

کئی قسم کے حملے ہو رہے ہیں۔ منقولات کے اسلحہ اسلام پر چلائے جاتے ہیں۔ اور آریہ اور پادری [illegible]

پر حملہ کر رہے ہیں۔ اگرچہ وہ جانتے ہیں کہ خود وہ گندے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں۔ مگر نکتہ چینی کرنا سہل ہے۔ مگر خوبی بیان کرنا مشکل۔

علوم جدیدہ کا بھی ایک قسم کا اسلام پر حملہ ہے آجکل کی تعلیم۔ فلسفہ۔ طبعی۔ اور ہیئت بھی انسان کو ایک غلطی میں ڈالتی ہے۔ میں تجربہ سے دیکھ رہا ہوں کہ اکثر لوگ جنہوں نے خواہ مکمل طور سے ان علوم کو حاصل کیا ہو۔ خواہ ناقص طور سے وہ عموماً بے قید زندگی اختیار کر لیتے ہیں۔ اور پھر رفتہ رفتہ اسلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت ہی ان کے دلوں سے اٹھ جاتی ہے اور پھر نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے۔ کہ خود خدا سے بھی انکار کر بیٹھتے ہیں۔ ان کے کلام سے ہی ایک قسم کی بو آتی ہے اور وہ ایسے معلوم ہوتے ہیں۔ کہ

آج بھی ہاتھ سے گئے اور کل بھی گئے!

اور در حقیقت اس گروہ کا حملہ آریوں اور پادریوں کے حملوں سے بھی بڑھا ہوا ہے کیونکہ ان اعتراضات عموماً منقولات کے رنگ میں ہوتے ہیں۔ ان میں صدق و کذب کا احتمال ہوتا ہے۔ مگر یہ لوگ تو اپنا ذاتی تجربہ اور روزانہ مشاہدہ پیش کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اسکا اثر بہت سخت اور برا پڑتا ہے۔

غرض سچی بات یہی ہے کہ اندرونی حملے بیرونی حملوں سے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ اور خطرناک اور زہریلا اثر ڈالنے والے ہیں۔ سچ ہے **از ماست کہ بر ماست**۔ اصل میں یہ قصور تو مسلمانوں کا ہے۔ جنہوں نے اپنی سادہ لوح اولاد کو بغیر اس کے کہ ان کو قرآن اور اسلام کے ضروری علوم سے آگاہ کریں۔ ان مدرسوں اور کالجوں میں بھیجدیا مانا طلب علم ہر عورت مرد پر فرض ہے جیسا کہ حدیث طلب العلم فریضۃ علےٰ کل مسلم و مسلمۃ سے ظاہر ہے۔ مگر اول علوم دینیہ کا حصول فرض ہے۔ جب بچے علوم دینی سے پورے واقف ہو جاویں اور ان کو اسلام کی حقیقت اور نور سے پوری اطلاع ہو جاوے۔ تب ان علوم مروجہ کے پڑھانے کا کوئی ہرج نہیں اصل میں ان مسلمانوں کی موجودہ روش بہت ہی خطرناک ہے۔ دیکھو پہلے ایک بازاری عورت کنجری بناکر پھر توبہ کرائی جاوے۔ تو وہ کیسی توبہ کریگی؟ شراب بدکاری اور بے قید زندگی اسکی عادت ثانی ہو جاوے گی۔ تو اول تو اسے توبہ کرنا ہی مشکل اور کرے بھی تو وہ کیسی توبہ ہوگی؟ اس کو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے۔ یہی حال ان لڑکوں کا ہے جنکو پہلے فلسفہ اور سائنس کے زہریلے علوم سکھاکر خود خدا کی ہستی پر ہی شبہات پیدا کرائے جاتے ہیں۔ اور پھر ان سے امید کیجاتی ہے۔ کہ وہ اسلام کے شیفتہ ہوں ہمارا یہ ایمان ہے۔ کہ

کوئی فلسفہ اور سائنس خواہ وہ اپنی اس موجودہ حالت سے ہزار درجہ ترقی کر جاوے مگر قرآن ایسی ایک کامل کتاب ہے کہ یہ نئے علوم اس پر غالب نہیں آ سکتے۔ مگر اس شخص کی نسبت ہم کیونکر ایسی رائے قائم کر سکتے ہیں کہ جس کی نسبت ہمیں معلوم ہے۔ کہ اس کو علوم قرآن سے مس ہی نہیں اور اس نے اس طرف کبھی توجہ ہی نہیں کی بلکہ کبھی ایک سطر بھی قرآن شریف کی غور و تدبر سے نہیں پڑھی۔ مثال کے طور پر قرآن کی تعلیم روحانی کا ایک فلسفہ بیان ہوا ہے۔ جو بعد الموت اعمال کے نتیجہ میں انسان کو بہشت کے رنگ میں ملیگا جسکے نیچے نہریں چلتی ہوں گی۔ بظاہر یہ ایک **قصہ ہے مگر قصہ نہیں گو کہ قصہ کے رنگ میں آگیا ہے**۔ اس کی حقیقت یہی ہے۔ کہ اس وقت کے لوگ علوم روحانی کے نہ جاننے کیوجہ سے نادان بچوں کیطرح تھے۔ ایسے باریک اور روحانی علوم کے۔ سمجھانیکے واسطے انکو مناسب حال استعاروں سے کام لینا اور مثالوں کے ذریعے اصل حقیقت کو ان کے ذہن نشین کرنا ضروری تھا۔ اسی واسطے قرآن شریف نے بہشت کی حقیقت سمجھانے کیواسطے اسی طریق کو اختیار کیا۔ کہ مثل الجنۃ التی وعد المتقون الخ یہ ایک مثال ہے نہ کہ حقیقت قرآن شریف کے ان الفاظ سے صاف عیاں ہے۔ کہ وہ جنت کوئی اور ہی چیز ہے اور حدیث میں صاف یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ ان ظاہری جسمانی دنیوی امور پر وہاں جنت کا قیاس نہ کیا جاوے۔ کیونکہ وہ ایسی چیز ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سنی وغیرہ مگر وہ باتیں جن مثال دیکر جنت کی نعماء کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ تو ہم دیکھتے ہی ہیں اور سنتے بھی ہیں ایک مقام پر قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ جنت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ و بشر الذین اٰمنوا و عملوا الصلحٰت ان لھم جنٰت تجری من تحتھا الانھٰر۔ اس آیت میں ایمان کو اعمال صالح کے مقابل پر رکھا ہے۔ جنت اور انہار یعنے ایمان کا نتیجہ تو جنت ہے۔ اور اعمال صالحہ کا نتیجہ انہار ہیں۔ پس جسطرح باغ بغیر نہر اور پانی کے جلدی برباد ہو جانیوالی چیز ہے اور دیرپا نہیں۔ اسی طرح ایمان بے عمل صالحہ بھی کسی کام کا نہیں۔ پھر ایک دوسری جگہ پر ایمان کو اشجار (درختوں) سے تشبیہ دی ہے اور فرمایا ہے کہ وہ ایمان جس کیطرف مسلمانوں کو بلایا جاتا ہے وہ اشجار ہیں۔ اور اعمال صالحہ ان اشجار کی آبپاشی کرتے ہیں۔ غرض اس معاملہ میں جتنا جتنا تدبر کیا جاوے۔ اسی قدر معارف سمجھ میں آویں گے۔ جسطرح سے ایک کرسان کاشتکار کے واسطے ایمان جو کہ روحانیات کی تخم ریزی ضرور اور لازمی ہے۔ اور پھر جسطرح کاشتکار کھیت یا باغ وغیرہ کی آبپاشی کرتا ہے۔ اسی طرح روحانی باغ ایمان کی آبپاشی کے واسطے اعمال صالحات کی ضرورت ہے یاد رکھو کہ ایمان بغیر اعمال صالح

کے ایسا ہی بیکار رہتا ہے جیسا کہ ایک عمدہ باغ بغیر نہر یا کسی دوسرے ذریعہ آبپاشی کے نکما ہے۔

درخت خواہ کیسے ہی عمدہ قسم کے ہوں۔ اور اعلےٰ قسم کے پھل لانیوالے ہوں۔ مگر جب مالک آبپاشی کی طرف سے لاپرواہی کرے گا۔ جو اس کا جو نتیجہ ہوگا وہ سب جانتے ہیں۔ یہی حال روحانی زندگی میں شجر ایمان کا ہے۔ ایمان ایک درخت ہے جسکے واسطے انسان کے اعمال صالحہ روحانی زندگی میں اس کی آبپاشی کیواسطے نہریں بنکر آبپاشی کا کام کرتے ہیں +

پھر جسطرح ایک کاشتکار کو تخم ریزی اور آبپاشی کے علاوہ بھی محنت اور کوشش کرنی پڑتی ہے۔ اسی طرح خدا تعالےٰ کے روحانی فیوض برکات کے ثمرات حسنہ کے حصول کیواسطے بھی مجاہدات لازمی اور ضروری رکھے ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ نفس انسانی ایک بیل کی مشابہ ہے اور اس کے تین درجے ہوتے ہیں۔ نفس امارہ امارہ مبالغہ کا صیغہ ہے امارہ کہتے ہیں بدی کیطرف لے جانیوالا۔ بہت بدی کا حکم کرنیوالا +

دوسری قسم نفس کی لوامہ ہے۔ لوامہ کہتے ہیں۔ ملامت کرنیوالے کو۔ انسان سے ایک وقت بدی ہو جاتی ہے مگر ساتھ ہی اسکا نفس اس کو اس بدی کیوجہ سے ملامت بھی کرتا ہے اور نادم بھی ہوتا ہے یہ انسانی فطرت میں رکھا گیا ہے۔ مگر بعض طبائع ایسے بھی ہیں۔ کہ اپنی گندہ حالت اور سیاہ کاریوں کیوجہ سے وہ ایسے محجوب ہو جاتے ہیں۔ کہ انکی فطرت فطرت سلیم کہلانے کے مستحق نہیں ہوتی۔ ان کو اس ملامت کا احساس کبھی نہیں ہوتا۔ مگر شریف الطبع انسان ضرور اس حالت کا احساس کرتا اور بعض اوقات وہی ملامت نفس اس کے واسطے باعث ہدایت ہو کر موجب نجات ہو جاتی ہے۔ مگر یہ حالت ایسی نہیں کہ اس پر اکتفا کیا جاوے۔

نفس کی ایک تیسری حالت ہے جسے مطمئنہ کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اور وہ انسان کو جب حاصل ہوتی ہے۔ کہ انسان نفس امارہ اور پھر نفس لوامہ کے مشکلات کو حل کر جائے اور اس جنگ میں اس کو فتح نصیب ہو۔ نفس امارہ انسان کا دشمن ہے۔ اور وہ گھر کا پوشیدہ دشمن ہے۔ لوامہ بھی کبھی کبھی دشمنی کا ارادہ کرتا ہے۔ مگر باز آجاتا ہے۔ مگر برخلاف ان دونوں حالتوں کے جب انسان ترقی کر کے نفس مطمئنہ کے درجہ تک ترقی کر جاتا ہے۔ تو اس کی ایسی حالت ہوتی ہے۔ کہ گویا اس کا دشمن اس کے زیر ہو گیا۔ اور اس دشمن پر فتح نمایاں حاصل کر لی۔ اور صلح ہو گئی۔ انسانی ترقیات کی آخری حد اور اس کی زندگی کا انتہائی نقطہ اسی بات پر ختم ہوتا ہے۔ کہ انسان حالت مطمئنہ حاصل کر لے۔ اور وہ ایسی حالت ہوتی ہے کہ اسکی رضا خدا کی رضا۔ اور اس کی ناراضگی خدا کی ناراضگی ہو جاتی ہے۔ اسکا ارادہ خدا کا ارادہ ہوتا ہے اور وہ خدا کے بلائے بولتا۔ اور خدا کے چلائے چلتا ہے۔ تمام افعال حرکات و سکنات اس سے نہیں۔ بلکہ خدا سے سرزد ہوتے ہیں۔ اور انسان کی پہلی حالت پر ایک قسم کی موت وارد ہو جاتی ہے۔ اور ایک نئی زندگی کا جامہ اسے از سر عطا کیا جاتا ہے۔ اور پھر ایسا انسان ایک ممتاز انسان ہو جاتا ہے۔ غرض قانون قدرت میں ایسا پایا جاتا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے دو سلسلے پہلو بہ پہلو بنائے ہیں۔ جسمانی اور دوسرا روحانی۔ جو کچھ جسمانی طور سے ہوتا ہے وہی روحانی طور سے بھی۔ ہوتا ہے۔ پس جو شخص ان دونوں سلسلوں کو نصب العین رکھکر کاروبار میں کوشش اور محنت کریگا وہ جلدی ترقی کریگا۔ اسکے معلومات وسیع ہونگے ہر صورت میں ہر جسمانی کلام ان کے روحانی رو کے مشابہ ہوگا۔ الدنیا مزرعۃ الآخرۃ۔

ہم نظام جسمانی میں دیکھتے ہیں۔ کہ جسمانی کاشتکار باوجود ہر قسم کی باقاعدہ محنت و مشقت کے بھی پھر آسمانی پانی کا محتاج ہے۔ اور اگر اس کی محنتوں اور کوششوں کے ساتھ آسمانی پانی اس کے فصل پر نہ پڑے تو فصل تباہ محنت برباد ہو جاتی ہے۔ پس یہی حال روحانی رنگ میں ہے۔ انسان کو خشک ایمان کچھ فائدہ نہیں پہونچا سکتا۔ جب تک کہ روحانی نازل ہو کر بڑے زور کے نشانات سے اسکی اندرونی گندہ دھو کر اس کو صاف نہ کرے۔ چنانچہ قرآن شریف میں اسی کیطرف اشارہ کر کے فرماتا ہے۔ والسماء ذات الرجع والارض ذات الصدع۔ یعنے قسم ہے آسمان کی جس سے بارش نازل ہوتی ہے اور قسم ہے زمین کی جس سے شگوفہ نکلتا ہے بعض لوگ اپنی نادانی کیوجہ سے نراست اٹھاتے ہیں۔ قسم کا مفہوم اصل میں قائم مقام ہوتا ہے شہادت کے۔ ہم دنیوی گورنمنٹ میں دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات مقدمات کے فیصلوں کا حصر اسی قسم پر رکھا جاتا ہے +

پس اسی طرح سے خدا تعالےٰ نے بھی بارش آسمانی کی قسم کھا کر نظام جسمانی کیطرح نظام روحانی میں اس بات کو بطور ایک شہادت کے پیش کرتا ہے۔ کہ جسطرح سے زمین کی سبزی اور کھیتوں کا ہرا بھرا ہونا آسمانی بارش پر موقوف ہے اور اگر آسمانی بارش نہ ہو۔ تو زمین پر کوئی سبزی نہیں رہ سکتی۔ اور زمین مردہ ہو جاتی ہے۔ بلکہ کنووں کا پانی بھی خشک ہو جاتا ہے۔ اور دنیا زیر و زبر ہو کر ہلاک کا باعث ہو جاتا ہے۔ اور لوگ بھوکوں پیاسوں مرتے ہیں۔ قحط کیوجہ سے انسان و حیوان۔ اور پھر چرند پرند اور درند وغیرہ پر بھی اسکا اثر ہوتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح سے ایک روحانی سلسلہ بھی ہے +

یاد رکھو کہ خشک ایمان بجز آسمانی بارش کے جو مکالمہ مخاطبہ کے رنگ میں نازل ہوتی ہے ہرگز ہرگز باعث نجات یا حقیقی راحت کا نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ روحانی بارش کے بغیر اور کسی مامور من اللہ کے بغیر نجات پا سکتے ہیں۔ اور ان کو کسی مزکی اور مامور من اللہ کی ضرورت نہیں سب کچھ ان کے پاس موجود ہے۔ ان کو چاہیئے کہ پانی بھی اپنے گھروں میں پیدا کر لیا کریں۔ ان کو آسمانی بارش کی کیا احتیاج۔ آنکھوں کے سامنے موجود ہے کہ جسمانی چیزوں کا خدا اور کن چیزوں پر ہے۔ پس اس سے سمجھ لو کہ بعینہٖ اسی کے مطابق روحانی زندگی کیواسطے بھی لازمی اور لابد اور ضروری ہے +

انسان کا یہ دعوےٰ کہ میں نے سب کچھ سیکھ لیا ہے۔ اور یہ کہ میں نے سارے علوم حاصل کر لئے ہیں۔ یہ بالکل غلط خیال ہے انسان کا علم کیا ہے۔ جسطرح سے سمندر میں ایک سوئی ڈبو کر نکال لیجاوے یہی حال انسان کے علم کا ہے۔ کہ اس کو معارف اور حقایق میں سے دیا گیا ہے ؎

تو مسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کیں راہ کہ تو میروی بترکستان است

پھر تعجب آتا ہے کہ بعض لوگ معمولی مروجہ علوم کے پڑھ لینے سے بڑے بڑے دعوے کر بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ دین کی راہ ایک عمیق در عمیق راہ ہے اور اس کے حقایق اور روحانی فلسفہ ایسا ہے کہ ہر فرد اس کا ماہر ہونیکا دعوےٰ کر سکے یہ دین آسمان سے ہی آیا ہے۔ اور ہمیشہ ہمیشہ اس کی سرسبزی کے سامان بھی آسمان ہی سے نازل ہوتے رہیں گے۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ اگر زمینی علوم اور مروجہ تعلیم کے پاس یافتوں کا سوال کیا جاوے تو اکثر اصحاب ایسے نکلیں گے۔ کہ ان کے ماہر ہی ہوں گے۔ مگر ہمیں اس جگہ ان اصحاب کی خدمت میں کہ وہ زمینی اور دنیوی علوم کے ماہر ہیں۔ یہ کہنا ہے۔ کہ ؎

اے کہ خواندی حکمت یونانیاں
حکمت ایمانیاں را ہم بخواں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ آجکل بہت سے ایسے بھی خیالات والے لوگ موجود ہیں۔ کہ ان کی نظر میں دین ایک جنون ہے۔ اور اس کی قدر ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عرب کے لوگ وحشی تھے اور امی تھے۔ اس وقت ان کی ضرورتوں کے مناسب حال قرآن نازل ہوا۔ اب دنیا ترقی کر گئی ہے۔ اور روشنی کا زمانہ ہے۔ کہ موجودہ زمانہ کے مناسب حال دین میں ترمیم ہونی چاہیئے۔ مگر آپ لوگ یہ نہ کہیں کہ دین کوئی لغو نہیں ہے۔ بلکہ دنیا کی حقیقی راحت اور اخروی نجات اسی دین میں ہی وابستہ ہے۔ وہ عرب کے امی جو اس دین کے سچے خادم تھے۔ انکا امی ہونا بھی ایک معجزہ ہی تھا تاکہ دنیا کو دکھاوے کہ امی لوگوں نے قرآنی تعلیم کے نیچے آکر کیا کچھ کر دکھایا۔ کہ بڑے بڑے علوم کے مدعیوں سے بھی ان کے مقابلہ میں کچھ بن نہ آیا۔

خدا خوب جانتا تھا کہ اس زمانہ میں کیسے کیسے جدید علوم پیدا ہوں گے اور خود مسلمانوں میں کیسے کیسے خیالات کے لوگ پیدا ہو جائیں گے۔ ان سب باتوں کا جواب اللہ تعالےٰ نے قرآن میں دے رکھا ہے۔ اور کوئی نئی تحقیقات یا علمی ترقی نہیں۔ جو قرآن شریف کو مغلوب کر سکے اور کوئی صداقت نہیں کہ اب پیدا ہو گئی ہو اور۔ اور وہ قرآن شریف میں پہلے ہی سے موجود نہ ہو +

جو راہ قرآن شریف نے پیش کی ہے۔ وہ نہ انجیل میں پائی جاتی ہے نہ توریت میں اسکا پتہ چلتا ہے۔ اور نہ ہی دنیا کی

کوئی اور کتاب اس کمال اور جامعیت کا دعوےٰ کر سکتی ہے۔ جو اللہ تعالےٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے قرآن شریف کو عطا کی ہے۔ قرآن کے مقابل پران کا ذکر ہی کیا ہے۔ انجیل نے ایک ضعیف ناتوان انسان کو خدا بنایا۔ مگر اس کی طاقت کا اندازہ تو مہود کے مقابلہ سے ہی ہو سکتا ہے :۔

دوسری بات اور مایۂ ناز انجیل کا اخلاقی تعلیم تھی مگر وہ ایسی بودی اور ناممکن ہے کہ کوئی صحیح فطرت انسان اس کی پابندی نہیں کر سکتا۔ بلکہ خود پادری صاحبان کا عمل بھی اس تعلیم کے بالکل خلاف ہے۔ مثلاً انجیل تعلیم دیتی ہے کہ اگر کوئی تجھے ایک طمانچہ مارے تو تو دوسری گال پھیر دے اور اگر کوئی تیرا کُرتا مانگے تو اس کو چادر بھی اوتار دے۔ اگر کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جانا چاہے اور دو کوس اس کے ساتھ چل۔ اب ہم اہل انجیل کی حمایت اور تعریف کرنیوالے پادری صاحبوں سے ہی دریافت کرتے کہ ان کا اس تعلیم پر کہاں تک عملدرآمد ہے جنہوں نے اس تعلیم کا عملی نمونہ کیا دیکھایا ہے کہ دوسروں کو بھی اس تعلیم کیطرف بلاتے ہیں۔ پھر اسی انجیل میں لکھا ہے کہ تو بدی کا مقابلہ نہ کر۔ غرض انجیل کی تعلیم تفریط کیطرف جھکی ہوئی ہے۔ اور بجز خاص حالات کے ہم نہیں کہ انسان اسپر عمل کر ہی نہیں سکتا۔ دوسری طرف توریت کی تعلیم کو دیکھا جاوے تو وہ افراط کیطرف جھکی ہوئی ہے اور اس میں بھی صرف ایک ہی پہلو پر زور دیا گیا ہے کہ جان کے بدلے جان آنکھ کے بدلے آنکھ اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت توڑ دیا جاوے اس میں عفو اور درگذر کا نام تک بھی نہیں لیا گیا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ کتابیں مختص الزمان اور مختص القوم ہی تھیں۔ مگر قرآن شریف نے ہمیں کیا پاک راہ بتائی ہے۔ جو افراط اور تفریط سے پاک اور عین فطرت انسانی کے مطابق ہے مثلاً مثال کے طور پر قرآن شریف میں فرمایا ہے جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفی واصلح فاجرہ علی اللہ یعنے جتنی بدی کیگئی ہو اسی قدر بدی کرنی جائز ہے۔ اگر کوئی معاف کر دے تو اس معافی میں اصلاح مدنظر ہو بے محل اور بیموقعہ عفو نہ ہو بلکہ برمحل ہو تو ایسے معاف کرنیوالے کیواسطے اس کا اجر ہے۔ جو اُسکو خدا سے ملیگا ٭

دیکھو کیسی پاک تعلیم ہے نہ افراط نہ تفریط انتقام کی اجازت ہے مگر معافی کی تحریص بھی موجود ہے۔ بشرط اصلاح۔ یہ ایک تیسرا مسلک ہے۔ جو قرآن شریف نے دنیا کے سامنے رکھا ہے۔ اب ایک سلیم الفطرت انسان کا فرض ہے۔ کہ ان تینوں کا خود موازنہ اور مقابلہ کر کے دیکھ لے۔ کہ کونسی تعلیم فطرت انسانی کے مطابق ہے۔ اور کونسی ایسی ہے کہ فطرت صحیح اور کانشنس اُسے دھکے دیتا ہے

یہودیوں میں باپ اپنی اولاد کو وصیت کرتا تھا کہ میرا انتقام میرا بیٹا لے۔ میرا پوتا لے۔ چنانچہ بعض اوقات بیٹا اور پوتا باپ کے انتقام لیتے تھے۔ غرضیکہ توریت میں تو سخت تشدد کیا گیا تھا۔ باقی رہی انجیل سو اس کی اخلاقی تعلیم پر ناز کرنیوالے نہیں سمجھتے کہ اول تو وہ تعلیم ہی ایسی ناقص ہے کہ بوجہ مختص الزمان اور مختص القوم ہونے کے آج اس کی ضرورت ہی نہیں اور نہ وہ اس وقت اخلاقی تعلیم کہلانے کی مستحق ہے۔ اور اگر مان بھی لیا جاوے تو کوئی شخص نہیں کہ اس تعلیم کا عامل نظر آتا ہو۔ خود اس کے شیفتہ لوگ ہی اسکا عملی نمونہ پیش کریں۔ اصل میں یہ **ہاتھی کے دانت ہیں کھانے کے اور دکھانے کے اور** تاہم فلسفہ حقہ اس کے بالکل خلاف ہے۔ انسان ایک شاندار درخت ہے اور انجیلی تعلیم اس کی صرف ایک شاخ۔ کیا باقی قوائے انسانی بیکار رہتی ٭

یاد رکھو۔ کہ کل قوائے انسانی اسی خالق فطرت ہی کیطرف سے انسان کو ملے ہیں۔ ان میں ایک قوت غضبی بھی ہے۔ قوت انتقام بھی ہے یہ قویٰ بیکار یا فضول نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی بداعمالی اور ان کا بے محل و بیموقعہ استعمال برا ہے۔ انجیل میں تو ایک موقعہ خصی بنجانے کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔ اگر سچے عیسائی اس تعلیم کا عملی نمونہ بنتے۔ تو یقین ہے کہ دنیا کا خاتمہ ہی ہو گیا ہوتا۔ عجیب بات یہ ہے کہ صرف حکم ہی نہیں بلکہ اس عمل پر بڑے ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ تو پھر کیا وجہ کہ ایسے کار خیر میں کوئی عیسائی بھی حصہ نہیں لیتا؟

قرآن شریف میں کوئی دکھا تو دے کہ کوئی ایسا حکم بھی دیا گیا ہو جس پر عمل کرنا انسانی طاقت سے بالاتر ہو۔ یا کوئی ایسا حکم بھی ہو جس کے کرنے سے کوئی قباحت لازم آتی ہو۔ یا انتظام دنیا میں فساد کا اندیشہ ہو؟ کیا ایک کتاب جس میں ایسے احکام داخل ہیں جو انسانی طاقت سے بالاتر ہیں یا ان کے کرنے سے کوئی قباحت لازم آتی ہے۔ اور نظام عالم درہم برہم ہوتا ہے۔ کبھی اس خدا کیطرف منسوب ہو سکتی ہے۔ جو خالق فطرت اور منتظم نظام دنیا اور قوائے انسانی کے پورے اندازے جاننے والا ہے۔ اور کیا وہ کتاب کامل اور مکمل شریعت کہلانے کی مستحق ہو سکتی ہے؟

لیکن میں اعتراض نہیں کرتا بلکہ میرا مقصد اس بیان سے اس امر کا اظہار ہے کہ یہ دونوں کتابیں صرف ایک ہی خاندان کی تھیں نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اور نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کبھی یہ دعوےٰ کیا کہ وہ تمام دنیا کیواسطے رسول ہو کر آئے تھے۔ بلکہ وہ تو صرف اسرائیلی بھیڑوں تک ہی اپنی تعلیم محدود کرتے ہیں۔ انکا اپنا اقرار موجود ہے بس بلحاظ ضرورت کے ان کو کتاب ملی وہ بھی ایک

قانون مختص الزمان اور مختص القوم تھا

اب ظاہر ہے کہ ایک چیز جو ایک خاص ضرورت کیلئے ایک خاص زمانے اور مکان کیواسطے آئی تھی۔ اس کو زبردستی اور خواہ نخواہ تمام دنیا پر محیط ہونیکے واسطے کھینچ تان کیجائیگی۔ تو اس کا لازمی یہی نتیجہ ہوگا کہ وہ اس کام سے عاری رہے گی۔ اور اسی بوجھ کے اُٹھانیکے واسطے وہ وضع ہی نہیں کیگئی اس کی کیسے متحمل ہو سکے گی۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان تعلیمات میں موجودہ زمانہ کے حالات کے ماتحت نقص ہیں۔

مگر قرآن مجید مختص الزمان نہیں اور نہ ہی مختص المکان ہے بلکہ اس کامل اور مکمل کتاب کے لانیوالیکا دعویٰ کہ انی رسول اللہ علیکم جمیعًا۔ اور ایک دوسری آیت میں یوں بھی آیا ہے لانذرکم بہ ومن بلغ یعنے لازمی ہوگا کہ جسکو قرآنی تعلیم پہنچے وہ خواہ کہیں بھی ہو۔ اور کوئی بھی ہو اس تعلیم کی پیروی کو اپنی گردن پر اُٹھائے۔

انسانی فطرت کا پورا پورا عکس قرآن شریف ہی ہے۔ اگر قرآن نہ بھی آیا ہوتا۔ جب بھی اسی تعلیم کے مطابق انسان سے سوال کیا جاتا۔ کیونکہ یہ ایسی تعلیم ہے جو فطرت میں مرکوز اور قانون قدرت کے ہر صفحہ میں منقش ہے جنکی تعلیمات ناقص اور خاص قوم تک محدود ہیں۔ اور وہ آگے ایکقدم بھی نہیں چلسکتیں۔ ان کی نبوت کا دروازہ بھی اُن کے اپنے گھر تک محدود ہے مگر قرآن شریف کہتا ہے ان من امۃ الا خلا فیھا نذیر۔ دیکھو یہ کیسی پاک اور دل میں دخل کر جانیوالی بات اور کیسا سچا اصول ہے۔ مگر یہ لوگ ہیں کہ خدا کی خدائی کو صرف اپنے ہی گھر تک محدود خیال کرتے ہیں۔ یہی حال آریوں کا ہے۔ وہ بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہ ہمیشہ وید ہی اتارا جاتا ہے۔ اور صرف چار آدمی ہی اس کام کیواسطے مخصوص ہیں۔ اور ہمیشہ کیواسطے زبان سنسکرت ہی خدا کو پسند آگئی ہے۔ مجال نہیں کہ خدا کی یہ نعمت وحی و الہام کسی اور انسان یا زبان کو ملسکے۔ ان لوگوں کے اعتقاد کے بموجب وحی الٰہی اب آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے۔ اور اب ہمیشہ کیواسطے اس کو مہر لگ چکی ہے۔ مگر یہ لوگ نہیں جانتے کہ اسطرح تو خدا کی ہستی کے ثبوت میں ہی مشکلات پڑ جاوینگے صرف شنید سے انسان کب مطمئن ہو سکتا ہے۔ اور کامل یقین اور سچی معرفت صرف دوسروں کی زبانی سن لینے سے کہاں میسر آتی ہے ؎

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

جب تک خدا انا الموجود کی آواز نہ دے۔ یا اپنے پیارے کلام سے اور زبردست غیبی نشانات سے اپنا چہرہ نہ دکھا دے تب تک وہ پیاس کب مٹ سکتی ہے۔ جو حق کی طلب کی پیاس انسان کو لگی ہوئی ہے یہ کہنا کہ خدا پہلے تو نشانات اور معجزات دکھاتا تھا رسول بھیجتا تھا۔ مگر اب نہیں۔ یہ نعوذ باللہ خدا کی ذات کی سخت توہین ہے اور بے ادبی ہے۔ کیا وجہ کہ اب وہ سنتا ہے اور دیکھتا بھی ہے۔ مگر بولتا نہیں۔ اچھا تو اس پر تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ قوت شنوائی اور بینائی تو ہے قوت گویائی کیطرح جاتی نہیں رہی :۔

انسان اپنی فطرت سے الگ نہیں ہو سکتا۔ بکری سے بھیڑیئے کا کام لیں تو دے سکتی ہے؟ ہرگز نہیں یہی حال فطرت انسانی کا ہے کہ اپنی بناوٹ کے خلاف ہرگز نہیں چلسکتی۔ نرے تصفیوں سے کب وہ تسلی پا سکتی ہے۔ اگرچہ کوئی ظاہر داری کیواسطے ہاں میں ہاں ملادے مگر دل لعنت بھیجتا ہوگا۔ اور انکار کرتا ہوگا۔ کہ میں نہیں مانتا۔

یاد رکھو کہ اگر پہلے کبھی الہام تھا تو اب بھی ضرور ہے کہ الہام ہو۔ اسلام جب ایک ہی فرقہ تھا۔ اور مختصر بھی تو اس وقت تو بنی اللہ رسول کے آنے اور الہامات ہونے کی ضرورت تھی۔ مگر اب جبکہ ایک سے ۷۳ فرقے ہو گئے ہیں اور تفرقہ کی حد و نہایت ہی نہیں رہی۔ کلام الہی پر مہر لگائی جاتی ہے۔ اور خدا کا منہ بند کیا جاتا ہے۔ کوئی فطرت سلیم اور عقل صحیح اس منطق کو قبول نہیں کر سکتی۔

ہر چیز کے پیدا ہونے کی ماں (والدہ) ضرورت ہے دیکھو ایک جہاز سی مثال ریلوے تصادم کی ہے۔ تصادم کے واردات ترقی کرنے لگے۔ تو اصلاح کے سامان بھی پیدا ہو گئے۔ یہ سب طرح طرح کی کلیں جو دیکھنے میں آتی ہیں۔ یہ سب ضرورت نے ہی مہیا کرا دی ہیں۔ تو اب جبکہ انسانی حالت کیا بلحاظ اپنی ظاہری حالت کے اور کیا بلحاظ اپنی باطنی حالت کے ابتری کے انتہائی درجہ تک پہونچ چکی ہو اور ہر فرقہ پر دہریت (ناستک مت) نے اپنا تسلط جمایا ہوا ہو زندہ ایمان کسی میں باقی نہیں اور یہ قاعدہ کی بات ہے۔

زندہ ایمان ہی اعمال کی تحریک کرتا ہے

جب ایمان ہی نہیں جو کہ اعمال صالحہ کا اصل محرک ہے تو پھر عمل کیسے؟ غرض اس طرح ایمان کے دنیا سے اٹھ جانے کے باعث اعمال صالحہ کا بھی ساتھ ہی نام و نشان مٹ چکا ہے۔ پھر کیا وجہ کہ خدا نے ایسی خطرناک حالت اور ایسی سخت ضرورت کیوقت بھی اپنی سنت قدیمہ کو ترک کرکے کوئی رسول اور نبی یا ملہم نہ بھیجتا:۔

لا الٰہ الا اللہ یہ توحید کا کلمہ ہے اس کے معنے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی بھی عبادت اور سچی فرمانبرداری کے لائق نہیں ہے خدا اگر توحید کے پھیلانے میں کسی دوسرے کا محتاج ہوتا یا کسی اور کو اس کام میں اپنا شریک بناتا۔ تو بھی شرک لازم آتا تھا۔ محمد رسول اللہ کا جملہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ شامل کرنے میں سر یہی ہے کہ تا توحید کا سبق کامل ہو۔ اور دنیا کو معلوم ہو۔ کہ جو کچھ آتا ہے درحقیقت اسی خدا کیطرف سے آتا ہے۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم ان ہدایات کے خدا سے پاکر مخلوق کو پہونچایا کرتے ہیں۔ اور جو کچھ ادھر سے آتا ہے وہ اسی راہ سے آتا ہے:۔

شرک صرف پتھروں ہی کے پوجنے کا نام نہیں ہے بلکہ شرک کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ انسان خدا کو چھوڑ کر صرف اسباب ہی پر تکیہ کرے۔ اور یہ شرک فی الاسباب کہلاتا ہے:۔ برہمو وغیرہ اس راز توحید کو نہیں سمجھتے۔ خود خدا را بخدا باید شناخت میں دکھایا گیا ہے۔ خدا کیطرف سے آنیوالا ایسا ہی ہے کہ گویا خود خدا ہی ہے جو انسانی گورنمنٹ کیطرف سے آنیوالا نائب ہوتا ہے۔ اسی طرح سے رسول بھی خدا میں فنا ہو کر وہ نہیں ہوتا۔ بلکہ خود خدا ہوتا ہے۔ غرض محمد رسول اللہ کا فقرہ توحید کامل کرنے کیواسطے لازمی تھا۔ خدا توحید کو پسند کرتا ہے اور یہ شکر کا مقام ہے کہ یہ خصوصیت صرف اسلام میں پائی جاتی ہے۔ جس کو آج ہم پیش کرتے ہیں۔ کسی دوسرے مذہب میں نہیں۔

عیسائیوں کی دوڑ کفارہ مسیح تک ہے

باپ بیٹا۔ اور روح القدس تین ہیں۔ مگر تین مت کہو۔ ایک کہو یہ عجیب گورکھ دھندا ہے۔ جو سمجھ میں نہیں آتا یہودی بھی بڑے سخت دل ہیں۔ اور طرح طرح کے شرک میں مبتلا ہیں۔ ان کو اس طرف توجہ ہی نہیں۔ آجکل کے آریہ صاحبان جن کو اسلام کے خلاف اپنے عقاید پر بڑا گھمنڈ اور ناز ہے انکا مذہب ہے کہ روح بمع اپنے تمام صفات کے اور مادہ بمع اپنے تمام صفات کے خود بخود ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ نیستی سے ہستی ممکن نہیں۔ غرض انہوں نے ذرہ ذرہ کو خدا کا شریک ٹھہرا رکھا ہے۔ انسانی ظاہری قویٰ کو تو خدا کیطرف سے ملتے ہیں۔ مگر کہتے ہیں۔ کہ روح میں جو قوتیں ہیں وہ خود بخود ہیں خدا کیطرف سے نہیں۔ وہ مانتے ہیں کہ ارواح اور ذرات بمع اپنے قویٰ کے خود بخود موجود ہیں۔ خدا کا کام صرف ان کو جوڑنا ہی ہے۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ کیوں جائز نہیں کہ باہمی جوڑ ملاپ کی طاقت بھی ان کی اپنی ذاتی خاصیت نہ مانی جاوے:۔

غرض تازہ معجزات کے یہ لوگ منکر ہیں۔ وید میں معجزات کا کوئی ذکر نہیں۔ تو

پھر خدا کے وجود پر نشانی ہی کیا ہے؟

اور اس کی زندگی کی علامت ہی کیا؟ جب روح خود بخود موجود ہیں۔ تو پھر کیوں نہ مان لیا جاوے کہ تیسرا حصہ (باہمی جڑ جانے کی خاصیت) بھی خود بخود ہے۔ جب ایک اہم کام خود بخود ہے۔ تو سہل کیواسطے کیوں کسی کی احتیاج مانی جاوے؟

غرض یہ خدا کا خاص فضل ہے۔ جو صرف اسلام ہی کے شامل حال ہے کہ اسلام کی کوئی بھی تعلیم عقل سلیم اور فطرت سلیم کی مخالف نہیں لا الٰہ الا اللہ ایک قول ہے اسکا عملی ثبوت بلیٰ من اسلم وجہہ للہ وھو محسن کی فعل ہے نرا قول (ایمان کا دعویٰ) کسی کام کا نہیں اور نہ ہی وہ کچھ مفید ہو سکتا ہے۔ خشک ایمان ایک بے بال و پر مرغ کی مثال ہے۔ جو ایک مضغہ گوشت ہے جو نہ چل پھر سکتا ہے نہ اڑنے کی اس میں طاقت ہے۔ بلکہ اسلام اس کو کہتے ہیں۔ کہ انسان باوجود ہیبت ناک نظارے دیکھنے اور اس امر کا یقین ہونے کے کہ اس مقام پر کھڑا ہونا ہی گویا جان کو خطرہ میں ڈالنا ہو۔ پھر بھی خدا کی راہ میں سر ڈالدے اور خدا کی راہ میں اپنے کسی نقصان کی پرواہ نہ کرے۔ جنگ کے موقعہ پر سپاہی جانتا ہے۔ کہ میں موت کے منہ میں جا رہا ہوں۔ اور اسے یہ نسبت زندہ پھرنے کے مرنا یقینی نظر آتا ہے۔ مگر باں ہمہ وہ اپنے افسر کی فرمانبرداری اور وفاداری کرکے آگے ہی بڑھتا ہے اور کسی خطرہ کی پرواہ نہیں کرتا۔ اسکا نام اسلام ہے۔

غرض ایک فقرہ (لا الٰہ الا اللہ) میں تو اللہ تعالیٰ نے توحید سکھائی ہے اور دوسرے (من اسلم وجہہ للہ) میں یہ سکھایا کہ اس توحید پر سچے اور زندہ ایمان کا ثبوت اپنے اس فعل سے دو اور خدا کی راہ میں اپنی گردن ڈالدو اس بات کو توجہ سے سننا چاہیئے:۔

مسلمانوں کیواسطے یہ ایک مفید مسئلہ ہے صرف اس بات پر راضی نہ ہونا چاہیئے۔ کہ ہم مسلمان ہیں۔ یا ظاہری نماز روزے کی پابندی کرتے ہیں خطرناک مشکلات میں ثابت قدم رہنا اور قدم آگے ہی آگے اٹھانا اور خدائی امتحان میں پاس ہو جانا سچے اور حقیقی ایمان کی دلیل ہے۔ مشکلات کا آنا اور ابتلاؤں کا آنا مومن پر ضروری ہے تا ظاہر ہو۔ کہ کون سچا مومن اور کون صرف زبانی ایمان کا مدعی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنا وھم لا یفتنون۔

مسلمانوں کے صدر اول نے عمل سے ثابت کیا تھا کہ واقعی انہوں نے اپنی زندگیاں اللہ کے دین کی خدمت کیواسطے وقف کر دی تھیں۔ کوئی دین ترقی نہیں کر سکتا۔ جب تک خدا کے احکام کو دنیا کے کل کاموں پر مقدم نہ کیا جاوے۔ معمولی نماز روزے زکواۃ وغیرہ اعمال تو کرتے کرتے آخر عادت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ مثنوی رومی میں ایک شعر میں یہ مضمون خوب ادا کیا گیا ہے کہ

ہم اپنے کوٹھے میں غلہ بھرتے رہتے ہیں مگر وہ بھرتے بھرتے ہیں۔ مگر وہ بھرنے میں نہیں آتا۔ جب دیکھو خالی ہی خالی نظر آتا ہے۔ آخر کوئی چوہا تو ہے جو اس کوٹھے کو لگا ہوا ہے۔ انکا اناج کھائے جاتا ہے اور اسے خالی کرنیکی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ ہم بھرتے ہیں۔ وہ خالی کرتا ہے آخر کار دروازہ کھولکر دیکھا۔ تو واقعی ایک چوہا تھا۔ کہ اس غلہ کو کھا جایا کرتا تھا:۔

پس انسان کو اپنے اعمال پر ہی راضی نہ ہونا چاہیئے بعض بدیوں سے بعض اعمال حبط ہی ہو جاتے ہیں۔ ریاکاری بھی حبط اعمال کے واسطے ایک خطرناک کیڑا ہے۔ مثلاً ایک مجلس چندہ ہوتا ہے۔ ایک شخص اٹھتا ہے میرا ایک روپیہ لکھا جاوے۔ اب صرف دکھاوے اور واہ واہ کی آواز کے واسطے یا نام پیدا کرنے کے واسطے ایسا کرتا ہے تو اس کا اجر اس نے پالیا۔ عند الناس کے واسطے کوئی اجر نہ ہوگا۔ اس موقعہ پر مجھے

ایک نقل تذکرۃ الاولیاء کی یاد آگئی ہے

ہے۔ کہ ایک بزرگ تھے۔ ان کو دس ہزار روپیہ کی ضرورت پیش آگئی۔ انہوں نے اپنی ضرورت کا اظہار کیا۔ تو ایک شخص نے دس ہزار روپیہ کی تھیلی ان کے آگے لا رکھی۔ اب وہ بزرگ لگے اس شخص کی تعریف کرنے۔ اور ایک گھنٹے تک برابر اس کی تعریف کی۔ آخر وہ شخص جس نے روپیہ دیا تھا۔ مجلس میں سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور گھر سے واپس لوٹ کر عرض کی۔ کہ مجھے تو بخت ہوئی۔ اصل میں وہ روپیہ تو میری ماں کا تھا۔ اور میں اس کا روپیہ خودبخود دینے کا مختار نہ تھا۔ روپیہ مجھے دیدیا جاوے۔ اب لگی اس کو بجائے تعریف کے لعن طعن ہونے اور لوگ کہنے لگے کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بناوٹ کی ہے۔ بہانہ کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر جب وقت گذر گیا۔ اور رات کی سنسان گھڑیاں تھیں کہ وہی شخص وہی روپیہ لیکر اسی بزرگ کے مکان پر چپکے سے گیا۔ اور وہی روپیہ پیش کرکے عرض کی کہ حضور میں نے

روپیہ اللہ کے واسطے دیا تھا

نہ کہ تعریف سننے کے واسطے

اب آپ کو قسم ہے خدا کی کہ آپ اس روپیہ کا کسی سے ذکر نہ کریں۔ یہ سن کر وہ بزرگ رو پڑے۔ اس خیال سے کہ اب تک یہ جئے گا لوگ اسے گالیاں دیں گے طعن و تشنیع کریں گے۔ ملامت کیا ہی کریں گے۔ ان کو اس حقیقت کی کیا خبر!

غرض جس کام میں ریاکاری کا ذرہ بھی وہ ضایع جاتا ہے۔ اس کی وہی مثال ہے جیسے ایک اعلےٰ قسم کے عمدہ کھانے میں کتا منہ ڈالدے۔ آجکل بھی یہ مرض سخت پھیلا ہوا ہے۔ اور اکثر امور میں ریاکاری کی طرف سانظر ہوتی ہے۔ پس اعمال میں یہ طریق ہی نہ ہونی چاہیئے اصل میں انسان ایک حد تک معذور بھی ہے مگر قربانی کرنے کو تیار ہوجاتا ہے۔ کیونکہ کمل تو ہے نہیں جب تک اسے نفس مطمئنہ حاصل نہ ہوجاوے اور کسی کی لعن طعن کی پرواہ نہ کرے۔ جس کے اعمال میں ایسا اخلاص ہوجائے کہ تعریف کرنیوالا۔ اور گالی دینے والا۔ اور حقارت سے دیکھنے والا اس کی نظر میں یکساں ہوجاویں۔ اور یہ دونوں کو برابر جانے مردے کیطرح جانے جو نہ کچھ اسکا بگاڑ سکتا ہے اور نہ سنوار۔

اس وقت سرًا و علانیۃً پر بحث نہیں کرتا بلکہ نفس طریق کا ذکر کرتا ہوں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہمیشہ خفیہ ہی خیرات کرو۔ اور علانیہ نہ کرو۔ نیک نیتی کے ساتھ ہر کام میں ثواب ہوتا ہے ایک نیک طبع انسان ایک کام میں سبقت کرتا ہے۔ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے بھی اس کار خیر میں شریک ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح سے اس تحریک کرنے کو ثواب ملتا ہے۔ بلکہ ان کے ثواب میں سے بھی حصہ لیتا ہے۔ پس اس رنگ میں کوئی نیک کام اس نیت سے کرنا کہ دوسروں کو بھی ترغیب و تحریص ہو بڑا ثواب ہے:۔

شریعت اسلام میں بڑے بڑے باریک امور ایسے ہیں تاکہ اخلاص کی قوت پیدا ہوجائے۔ اخلاص ایک موت ہے جو مخلص کو اپنے نفس پر وارد کرنی پڑتی ہے جو شخص دیکھے کہ علانیہ خرچ کرنے اور خیرات دینے یا چندوں میں شامل ہونے سے اس کے نفس کو مزہ آتا ہے اور ریا پیدا ہوتا ہے۔ تو اس کو چاہیئے کہ ریا سے دستبردار ہوجائے اور بجائے علانیہ خرچ کرنے کے خفیہ طور سے خرچ کرے اور ایسا کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی علم نہ ہو۔ پھر خدا قادر ہے کہ نیک کو اس کی نیکی اور پاک تبدیلی کیوجہ سے بخش دے۔ اس میں کوئی سو برس کی ضرورت نہیں۔ اخلاص کی ضرورت ہے:۔

دیکھو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ ایک بڑھیا کو بلاناغہ حلوا کھلایا کرتے تھے۔ اور ان فعل کی کسی کو خبر نہ تھی۔ ایکدن جب بوڑھیا کو حلوا نہ پہنچا اس نے اس سے یقین کرلیا۔ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ وفات پاگئے۔ اب جائے غور ہے کہ آپ رضی اللہ عنہٗ کیسے تعاہد سے اس غریب بڑھیا کی جو کہ کچھ نہ کہا سکتی ہتی خدمت کیا کرتے تھے۔ کہ ایکدن حلوا نہ پہنچنے سے اس کو یقین ہوگیا کہ آپ وفات پاگئے۔ یعنی اس بڑھیا وہم میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ آپؓ زندہ ہوں اور اس کو حلوا نہ پہنچے یہ ممکن ہی نہ تھا۔

غرض یہ ہیں اخلاص اور یہ ہیں محض خدا کی راہ میں نیک نیتی کے اعمال:۔

اخلاص جیسی اور کوئی تلوار دلوں کے فتح کرنیوالی نہیں

ایسے ہی امور سے وہ لوگ دنیا پر غالب آگئے تھے صرف زبانی باتوں سے کچھ نہیں ہوسکتا۔ اب نہ پیشانی میں نور اور نہ روحانیت ہے اور نہ معرفت کا کوئی حصہ۔ خدا ظالم نہیں ہے۔ اصل بات یہی ہے کہ ان کے دلوں میں اخلاص نہیں صرف ظاہری اعمال سے جو رسم اور عادت کے رنگ میں کئے جاتے ہیں۔ کچھ نہیں بنتا۔ اس سے کوئی ان یہ نہ سمجھ لے کہ نماز کی تحقیر کرتا ہوں۔ وہ نماز جس کا ذکر قرآن میں ہے اور وہ معراج ہے بھلا ان نمازیوں سے کوئی پوچھے تو یہی کہ ان کو سورۂ فاتحہ کے معنے بھی آتے ہیں۔ پچاس پچاس برس کے نمازی ملیں گے۔ مگر نماز کا مطلب اور حقیقت پوچھو تو اکثر بے خبر ہوں گے۔ حالانکہ تمام دنیوی علوم ان علوم کے سامنے ہیچ ہیں۔ باہں دنیوی علوم کے واسطے تو جان توڑ کر محنت اور کوشش کیجاتی ہے اور اس طرف سے ایسی التفاتی ہے کہ اسے جنتر منتر کی طرح پڑھ جاتے ہیں۔

میں تو یہانتک بھی کہتا ہوں کہ اس بات سے مت رکو کہ نماز میں اپنی زبان میں دعائیں کرو۔ بیشک اردو میں۔ پنجابی میں۔ انگریزی میں۔ جو جس کی زبان ہو اسی میں دعا کرے۔ مگر ہاں یہ ضروری ہے۔ کہ خدا کے کلام کو اسی طرح پڑھو۔ اور معنے سمجھنے کی کوشش کرو۔ اسی طرح ماثورہ دعاؤں کا بھی اسی زبان میں التزام رکھو۔ قرآن اور ماثورہ دعاؤں کے بعد جو چاہو خدا سے مانگو۔ اور جس زبان میں چاہو مانگو۔ وہ سب زبانیں جانتا ہے۔ سنتا ہے اور قبول کرتا ہے:۔

اگر تم اپنی نماز کو باحلاوت اور پرذوق بنانا چاہتے ہو تو ضرور ہے کہ اپنی زبان میں کچھ نہ کچھ دعائیں کیا کرو۔ مگر اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ نمازیں تو ٹھونگیں مار کر پوری کرلی جاتی ہیں۔ پھر لگتے ہیں دعائیں کرنے۔ نماز تو ناحق کا ایک ٹیکس ہوتا ہے۔ اگر کچھ اخلاص ہوتا ہے تو نماز کے بعد میں ہوتا ہے۔ یہ نہیں سمجھتے کہ نماز خود دعا کا نام ہے۔ جو بڑے عجز۔ انکسار۔ خلوص اور اضطراب سے مانگی جاتی ہے۔ بڑے بڑے عظیم الشان کاموں کی کنجی صرف دعا ہی ہے۔ خدا کے فضل کے دروازے کھولنے کا پہلا مرحلہ دعا ہی ہے۔

نماز کو رسم اور عادت کے رنگ میں پڑھنا مفید نہیں۔ بلکہ ایسے نمازیوں پر تو خود خدا نے لعنت اور ویل بھیجا ہے۔ چہ جائیکہ ان کی نماز کو قبولیت کا شرف حاصل ہو۔ ویلٌ للمصلین خود خدا نے فرمایا ہے۔ یہ ان نمازیوں کے حق میں ہے۔ جو نماز کی حقیقت سے اور اس کے مطالب سے بے خبر ہیں۔ صحابہ رضؓ تو خود عربی زبان رکھتے تھے۔ اور اسکی حقیقت کو خوب سمجھتے تھے مگر ہمارے واسطے یہ ضروری ہے کہ اس کے معانی سمجھیں۔ اور اپنی نماز میں اسطرح حلاوت پیدا کریں۔ مگر ان لوگوں نے تو ایسا سمجھ لیا ہے۔ جیسے کہ دوسرا نبی آگیا ہے۔ اور اس نے گویا نماز کو منسوخ کردیا ہے:۔

دیکھو خدا کا اس میں فائدہ نہیں بلکہ خود انسان ہی اس میں بھلا ہے کہ اس کو خدا کی حضوری کا موقعہ دیا جاتا ہے۔ اور عرض معروض کرنیکی عزت عطا کی جاتی ہے۔ جس سے یہ بہت سے مشکلات سے نجات پا سکتا ہے۔ میں حیران ہوں کہ وہ لوگ کیونکر زندگی بسر کرتے ہیں۔ جنکا دن بھی گذر جاتا ہے اور رات بھی گزر جاتی ہے۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ ان کا کوئی خدا بھی ہے۔ یاد رکھو کہ ایسا انسان آج بھی ہلاک ہوا اور کل بھی۔

میں ایک ضروری نصیحت کرتا ہوں کاش لوگوں کے دلمیں پڑ جاوے۔ دیکھو عمر گذری جارہی ہے غفلت کو چھوڑ دو۔ اور تضرع اختیار کرو۔ اکیلے ہو ہو خدا سے دعا کرو۔ کہ خدا ایمان کو سلامت رکھے۔ اور تم پر وہ راضی اور خوش ہوجاوے:۔

انسان کیواسطے ترقی کرنے کے دو ہی طریق ہیں!

اول تو انسان تشریعی احکام۔ یعنی نماز روزہ زکوۃ اور حج وغیرہ تکالیف شرعیہ کی پابندی سے جو کہ خدا کے حکم کے موجب خود بجالا کر ترقی کرتا ہے۔ مگر یہ امور چونکہ انسان کے اپنے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ اس لئے کبھی ان میں سستی اور تساہل بھی کر بیٹھتا ہے۔ اور کبھی ان میں کوئی آسانی اور آرام کی صورت بھی پیدا کرلیتا ہے۔ لہٰذا دوسرا وہ

طریق ہے۔ جو براہ راست خدا کیطرف سے انسان پر وارد ہوتا ہے۔ اور یہی انسان کی اصلی ترقی کا باعث ہوتا ہے۔ کیونکہ تکالیف شرعیہ میں انسان کوئی نہ کوئی راہ بچاؤ یا آرام کی نکال ہی لیتا ہے۔ دیکھو کسی کے ہاتھ میں تازیانہ دے کر اگر اُسے کہا جاوے کہ اپنے بدن پر مارو۔ تو قاعدہ کی بات ہو۔ کہ آخر اپنے بدن کی محبت تھیں آہی جاتی ہے۔ کون ہے جو اپنے آپ کو دکھ میں ڈالنا چاہتا ہے؟۔

اسی واسطے اللہ تعالٰے نے انسانی تکمیل کیواسطے ایک دوسری راہ رکھدی۔ اور فرمایا ولنبلونکم بشیئ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصٰبرین الذین اذا اصابتھم مصیبة قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہم آزماتے رہیں گے تم کو کبھی کسی قدر خوف بھیجکر۔ کبھی فاقے سے، کبھی مال جان اور پھلوں پر نقصان وارد کرنے سے

مگر ان مصایب شدائد اور فقر و فاقہ پر صبر کرکے انا للہ وانا الیہ راجعون کہنے والوں کو بشارت دیدو کہ ان کے واسطے بڑے بڑے اجر خدا کی رحمتیں اور اس کے خاص انعامات مقرر ہیں"

دیکھو ایک کسان کس محنت اور جانفشانی سے قلبہ رانی کرکے زمین کو درست کرتا پھر تخم ریزی کرتا۔ آبپاشی کے مشکلات جھیلتا ہے۔ آخر جب طرح طرح کے مشکلات محنتوں اور حفاظتوں کے بعد کھیتی تیار ہوتی ہے تو بعض اوقات خدا کی باریک در باریک حکمتوں سے ژالہ باری ہو جاتی یا کبھی خشک سالی ہی کیوجہ سے کھیتی تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ غرض یہ ایک مثال ہے ان مشکلات کی جنکا نام

تکالیف قضا و قدر ہے

ایسی حالت میں مسلمانوں کو جو پاک تعلیم دی گئی ہے۔ وہ کیسی رضا بالقضا کا سچا نمونہ اور سبق ہے۔ اور یہ بھی صرف مسلمانوں ہی کا حصّہ ہے۔ آریہ جو کہ روح اور ذرات کو مع ان کے خاص کے خود بخود اور خدا کیطرح ازلی ابدی مانتے ہیں کیونکر انا للہ کہہ سکتے ہیں اور یہ توفیق ان کو کیسے نصیب ہو سکتی ہے :۔

غرض تکالیف دو ہی قسم کی ہیں۔ ایک حصّہ تو وہ ہے جو احکام پر مشتمل ہے۔ جن میں نماز روزہ۔ زکوٰة۔ حج وغیرہ داخل ہیں۔ ان میں کسی قدر عذر اور حیلے وغیرہ کی بھی گنجایش ہے۔ اور جب تک پورا اخلاص اور کامل یقین نہ ہو۔ انسان ان سے کسی نہ کسی قدر بچنے کی یا آرام کی صورت پیدا کرنیکی کوئی نہ کوئی راہ نکال ہی لیتا ہے۔ پس اس طرح کی کسر جو انسانی کمزوری کیوجہ سے رہ گئی ہو۔ اس کسر کے پورا کرنے کیواسطے اللہ تعالٰے نے تکالیف قضا و قدر رکھدی ہیں۔ تاکہ انسانی فطرت کی کمزوری کیوجہ سے جو کمی رہ گئی ہو۔ خدا کے فضل کے ہاتھ سے پوری ہو جاوے :۔

تکالیف قضا و قدر کا نام آریہ لوگ پہلی جون کا پھل رکھتے ہیں۔ مگر ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ اگر ایسا ہی ہے۔ تو پھر تمہارے

جپ تپ کس مرض کی دوا ہیں۔ اگر آسمانی تکالیف تمہارے پہلے اعمال کا نتیجہ ہیں۔ تو کیوں ایک اور عذاب جپ تپ کی مصیبت میں پڑکر اپنے واسطے پیدا کرتے ہو؟

غرض یہ دونوں سلسلے کہ کبھی انسان تکالیف شرعیہ کی پابندی کرکے اپنے ہاتھوں اور کبھی قضا و قدر کے آگے گردن جھکاتا ہے۔ اس واسطے ہیں کہ انسان کی تکمیل ہو جاوے۔ اسی کیطرف اشارہ کرکے اللہ تعالٰے فرماتا ہے۔ بلٰی من اسلم وجھہ للہ۔ یعنی اسلام کیا ہے؟ یہی کہ اللہ کی راہ میں اس کی رضا کے حصول کے واسطے۔

گردن ڈال دینا

ابتلاؤں کا ہیبت ناک نظارہ لڑائی میں ننگی تلواروں کی چمک اور کھٹا کھٹ کی طرح آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ جان جانے کا اندیشہ ہے۔ مگر کسی بات کی پرواہ نہ کرکے خدا کے واسطے یہ سب کچھ اپنے نفس پر وارد کر لینا یہ ہے اسلام کی تعلیم کی ..... لب لباب :۔

دوسرا حصّہ خلق اللہ اور حق العباد کے متعلق ہے، اس کے متعلق قرآنی تعلیم یوں بیان ہوئی ہے۔ کہ ان اللہ یامرکم بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربٰی پہلے فرمایا کہ عدل کرو پھر اس سے بھی آگے بڑھکر فرمایا۔ احسان کا بھی تم کو خدا نے حکم دیا ہے۔ یعنے صرف اسی سے نیکی نہ کرو۔ جس نے تم سے نیکی کی ہو۔ بلکہ احسان کے طور پر بھی جو کہ کوئی حق نہ رکھتا ہو۔ کہ اس سے نیکی کی جاوے۔ اس سے بھی نیکی کرو۔ مگر احسان میں ایک قسم کا باریک نقص زیر مخفی تعلق اس شخص سے رہتا ہے۔ جس سے احسان کیا گیا ہے۔ کیونکہ کبھی کسی موقعہ پر اس سے کوئی حرکت سرزد ہو جائے۔ جو اس محسن کے خلاف طبیعت ہو۔ یا نافرمانی کر بیٹھے تو محسن ناراض ہو کر اس کو احسان فراموش یا نمک حرام وغیرہ کہدے گا۔ اور اگرچہ وہ شخص اس بات کو دبانے کی کوشش بھی کریگا۔ مگر پھر اس میں ایک ایسا مخفی اور باریک رنگ میں نقص باقی رہ جاتا ہے۔ کہ کبھی نہ کبھی ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔ اسی واسطے اس نقص اور کمی کی تلافی کرنیواسطے اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ احسان سے بھی آگے بڑھو۔ اور ترقی کرکے ایسی نیکی کرو۔ کہ وہ ایتاء ذالقربٰی کے رنگ میں رنگین ہو جیسے جسطرح ایک ماں اپنے بچے سے نیکی کرتی ہے۔ ماں کی اپنے بچے سے محبت ایک طبعی اور فطرتی تقاضا پر مبنی ہے۔ نہ کسی طمع پر۔ دیکھو بعض اوقات ایک ماں ۸۰ برس کی بڑھیا ہوتی ہے۔ اس کو کوئی توقع خدمت کی اپنے بچے سے نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کو کہاں یہ خیال ہوتا ہے۔ کہ

میں اس کے جوان اور لائق ہونے تک زندہ بھی رہوں گی۔ غرض ایک ماں کا اپنے بچے سے محبت کرنا بلا کسی خدمت یا طمع کے خیال کے فطرت انسانی میں رکھا گیا ہے۔ ماں خود اپنی جان پر دکھ برداشت کرتی ہے مگر بچے کو آرام پہنچانے کی کوشش کرتی ہے۔ خود گیلی جگہ بیٹھی ہے اور اُسے خشک حصہ بستر پر جگہ دیتی ہے۔ بچہ بیمار ہو جائے تو راتوں جاگتی اور طرح طرح کی تکالیف برداشت کرتی ہے۔ اب بتاؤ کہ ماں جو کچھ اپنے بچے کے واسطے کرتی ہو۔ اس میں تصنع اور بناوٹ کا کوئی بھی شبہ پایا جاتا ہے؟

پس اللہ تعالٰے فرماتا ہے۔ کہ احسان کے درجے سے بھی آگے بڑھو۔ اور ایتاء ذی القربٰی کے مرتبہ تک ترقی کرو۔ اور خلق اللہ سے بغیر کسی اجر یا نفع و خدمت کے خیال سے طبعی اور فطری جوش سے نیکی کرو۔ تمہاری خلق اللہ سے ایسی نیکی ہو کہ اس میں تصنع اور بناوٹ ہرگز نہ ہو۔ ایک دوسرے موقعہ پر یوں فرمایا ہے۔ لا نرید منکم جزآء ولا شکورا۔ یعنے خدا رسیدہ اور اعلٰے ترقیات پر پہنچے ہوئے انسان کا یہ قاعدہ ہے۔ کہ اس کی نیکی خالصاً للہ ہوتی ہے۔ اور اس کے دل میں بھی یہ خیال نہیں ہوتا۔ کہ اس کے واسطے دعا کی جاوے یا اس کا شکریہ ادا کیا جاوے۔ نیکی محض اس جوش کے تقاضا سے کرتا ہے۔ جو ہمدردی بنی نوع کیواسطے اس کے دل میں رکھا گیا ہے۔ **ایسی پاک تعلیم نہ ہم نے توریت میں دیکھی ہے نہ انجیل میں** ورق ورق کرکے ہم نے پڑھا ہے۔ مگر ایسی پاک اور کمل کا نام و نشان نہیں۔

اس وقت دنیا میں تاریکی بہت پھیلی ہوئی ہے۔ خدا کی کتاب پر عمل کرنیکے واسطے جو قوت درکار ہے۔ اس میں بہت کمزوری ہے۔ خدا کی یہ قدیم سے عادت چلی آئی ہے۔ کہ جب دنیا میں گناہ کی ظلمت پھیل جاتی ہے۔ لوگ زندگی کے اصلی مقصد سے دور جا پڑے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالٰے خود اپنی طرف سے ایمانوں کو تازہ کرنے کیواسطے انتظام کرتا ہے اور مصلح اور مجدد مبعوث کرتا ہے۔ سفلی ریفارمر اس وقت کچھ نہیں کر سکتے۔ خدا کے مقرر کردہ لوگوں ہی کا یہ منصب ہوتا ہے۔ کہ دلوں پر قابو پا کر ان میں پاک زندگی پیدا کر جاتے ہیں۔ خدا کی طرف سے روحانی اصلاح کے لئے مقرر ہونیوالے لوگ چراغ کیطرح ہوتے ہیں۔ اسی واسطے تو ان شریف میں آپ کا نام

دَاعِیًا اِلَی اللہِ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا

آیا ہے۔ دیکھو کسی اندھیرے مکان میں جہاں سو پچاس آدمی ہوں۔ اگر ان میں سے ایک کے پاس روشن ہو تو سب کو اسکی طرف رغبت ہوگی۔ اور چراغ ظلمت کو پاش پاش کرکے اوجالا اور نور کر دے گا۔

اس جگہ آپ کا نام چراغ رکھنے [illegible] بھی ہے کہ ایک چراغ سے ہزاروں [illegible]

اور اس میں کوئی نقص ہی نہیں آیا۔ چاند، سورج میں یہ بات نہیں۔ اس سے مطلب یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اطاعت کرنے سے ہزاروں لاکھوں انسان اس مرتبہ پر پہنچیں گے۔ اور آپ کا فیض خاص نہیں بلکہ عام اور جاری ہوگا۔

غرض یہ سنت اللہ ہے کہ ظلمت کی انتہا کے وقت اللہ تعالےٰ اپنی بعض صفات کیوجہ سے کسی انسان کو اپنی طرف سے علم اور معرفت دیکر بھیجتا ہے۔ اور اس کلام میں تاثیر اور اسکی توجہ میں جذب اور اسکی دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔ مگر وہ انہی کو جذب کرتے ہیں اور انہی پر ان کی تاثیرات اثر کرتی ہیں جو اس انتخاب کے لائق ہوتے ہیں دیکھو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام

سراجاً منیرا

ہے۔ مگر ابوجہل نے کہاں قبول کیا ؎

باران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

جسطرح بارش آسمانی سے زمینیں اپنی اپنی استعداد کے موافق روئیدگی پیدا کرتی ہیں۔ کہیں خس و خاشاک اور کہیں گلاب کے پھول۔ بعینہٖ یہی حال روحانی بارش کیوقت انسانی روحانیت کا ہے۔ عادت اللہ اسی طرح پر ہے کوئی نرالی بات نہیں۔ آدم سے لیکر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ وحی جاری رہا۔ بعد میں اللہ تعالےٰ نے وعدہ فرمایا کہ وہ تجدید دین کے واسطے مجدد پیدا کرے گا۔

تجدید کہتے ہیں ایک کپڑا جو کہ میل کچیل سے آلودہ ہوگیا ہو۔ اسی کو دھو کر صاف کر لیا جائے۔ اسی طرح جب دین میں ایک زمانہ گذرنے کے بعد عقاید اور اعمال میں طرح طرح کے گند داخل ہو جاتے ہیں۔ اور ایمان کی بنا صرف پرانے قصہ کہانیوں پر ہی رہ جاتی ہے۔ اور قصوں کے سوائے کچھ ہاتھ میں نہیں رہتا۔ تو اللہ تعالےٰ نے ایسی حالت میں اسلام کو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ وعدہ دیا ہے۔ کہ ہر صدی کے سر پر ایسے شخص بھیجتا رہیگا۔ جو تجدید دین کیا کریں گے مگر چودھویں صدی کا سراج بجائے خود ۲۶ برس ہی گذر گئے۔ آخر الاحسب وعدہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم عین وقت پر آگیا۔ مگر یہ لوگ اب تک بھی شک میں ہیں۔ اور مجھ پر خواہ مخواہ جھوٹ اور تہمت سے الزام لگاتے ہیں۔ کہ نعوذ باللہ میں پیغمبروں کو گالیاں دیتا ہوں۔ وہ کیسا ہی خبیث اور ملعون ہے وہ شخص جو کہ برگزیدہ بندوں کا انکار کرے یا ان کی کسی طرح سے بے ترلی سے یا ظل سے توہین کرے۔

یہ بھی مجھ پر الزام لگایا گیا ہے کہ میں معجزات سے منکر ہوں۔ حالانکہ میرا ایمان ہے کہ بغیر معجزات کے زندہ ایمان ہی نصیب نہیں ہو سکتا۔ عقل انسان کا کہاں تک ساتھ دیکتی ہے۔ اور اسی کی مدد سے وہ کہانتک ترقی کر سکتا ہے؟ خدا زندہ موجود ہے اور جسطرح اس نے پہلے کام کئے ہیں۔ اب بھی ضرور ہے۔ کہ اسی طرح کرے۔ کیا وجہ کہ پہلے معجزات اور خوارق پر ایمان لایا جاتا ہے اور گذشتہ کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ کیا اب خدا بڈھا ہوگیا ہے؟ یا خدا کی قوت گویائی جاتی رہی ہے؟ یا اس کی قوت نصرت اور قدرت کا سلسلہ ختم ہوگیا ہے؟

حال کے فلسفہ والے ان باتوں کو نہیں مانتے مگر میں خود اس میں صاحب تجربہ ہوں۔ جسطرح پہلے نشان ظاہر ہوئے تھے۔ اب بھی ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح خدا اپنے خاص بندوں کی تائید اور نصرت کرتا ہے۔ اور اسی طرح وحی اور الہام سے ان کی تائید کرتا ہے۔ اگر تمہارے اعتقاد کے موافق مان لیا جاوے کہ اب کوئی سلسلہ وحی و الہام نہیں رہا۔ اور وہ مردہ ہوگیا ہے تو مردے سے کیا امید رکھ سکتے ہو؟ کیا مردہ۔ کیا مردہ مردے کو زندہ کر سکتا ہے؟ اور اندھا اندھے کی رہبری کر سکتا ہے؟۔

میں سچ کہتا ہوں۔ کہ خدا اسی طرح زندہ ہے جس طرح آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زندہ تھا۔ خدا نے ہمیں ایک خاص مقام پر پہنچانیکا وعدہ کیا تھا۔ کیا اب وہ ہمیں رستے میں ہی چھوڑ دیگا؟ مثال کے طور پر بیان کرتا ہوں کہ مثلاً ایک اندھے سے کسی نے وعدہ کیا کہ تمہیں مدراس یا کلکتہ تک پہنچا دینگے۔ مگر جب وہ نصف راستہ میں پہونچا تو اس کو چھوڑ دیا۔ اب نہ وہ ادھر کا نہ اُدھر کا۔ کیا یہ انصاف ہے؟ اور ظلم نہیں؟

ہم خدا پر ایسا الزام نہیں لگا سکتے

کہ اس نے وعدہ تو کیا کہ قیامت خلفاء اور مجددین کا سلسلہ جاری رکھونگا۔ مگر ایک خاص وقت کے بعد اس نے ایسا کرنا چھوڑ دیا۔ سورہ نور میں آیت استخلاف کو غور سے پڑھکر دیکھ لو۔ میں بھی اسی وعدہ کے موافق آیا ہوں اور اس واسطے موعود کہلاتا ہوں۔ یہ نہیں کہ:۔

اواگون کے طور پر وہی مسیح آگیا ہو۔ بلکہ اللہ تعالےٰ کو علم تھا۔ کہ آخری زمانہ میں امت بگڑ جائے گی۔ اور جسطرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یہود کی حالت تھی۔ وہی حالت مسلمانوں کی موعود مسیح محمدی کے زمانہ میں ہو جائیگی۔ غیر المغضوب علیہم و لا الضالین۔ میں اسی کی طرف تو اشارہ ہے۔ خود مسلمانوں سے پوچھ لو۔ کہ آخری زمانہ کے مسلمان اور علماء کا کیا حال لکھا ہے۔ یہی کہ لکھا ہے کہ ایسے ہو جاویں گے کہ قرآن پڑھیں گے۔ مگر قرآن حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ ایمان صرف زبان پر ہی ہوگا اب صاف ہے کہ ایسے وقت میں ان کی اصلاح کیواسطے جو شخص آویگا۔ وہ بھی مناسب حال ہی آویگا۔ اور ضرورت اور کام کے لحاظ سے اسکا نام بھی مسیح ہوگا:۔

کیا یہ ظاہر نہیں کہ دین مر گیا تو پھر جب کسی آدمی کا عزیز دوست عشق کہ پالتو کتا۔ بلی ہی مر جائے تو اسے رنج ہوتا ہے۔ اور افسوس آتا ہے تو کیا وجہ کہ دین کی موت کا کسی رنج نہیں۔ اور کسی کے دل میں ماتم نہیں نظر آیا؟ یہ بھی مجھ پر الزام لگایا جاتا ہے۔ کہ میں **نبوت کا دعوے** کرتا ہوں۔ اور کہ میں نے نیا دین بنا لیا ہے۔ یا میں کسی الگ قبلہ کی فکر میں ہوں۔ نماز میں نے الگ بنا لی ہے۔ یا قرآن کو منسوخ کر کے اور قرآن بنا لیا ہے۔ سو اس تہمت کے جواب میں میں بجز اس کے کہ:۔

لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ کہوں!

اور کیا کہوں۔ میرا دعوے صرف یہ ہے کہ موجودہ مفاسد کے باعث خدا نے مجھے بھیجا ہے۔ اور میں اس امر کا اخفا نہیں کر سکتا۔ کہ مجھے مکالمہ مخاطبہ کا شرف عطا کیا گیا ہے۔ اور خدا مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے۔ اور کثرت سے ہوتا ہے اسی کا نام **نبوّت** ہے۔ مگر حقیقی نبوت نہیں نبا ایک عربی لفظ ہے۔ جس کے معنے ہیں خبر کے اب جو شخص کوئی خبر خدا سے پاکر خلق خدا پر ظاہر کریگا۔ اس کو عربی میں نبی کہیں گے۔ میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے الگ ہو کر کوئی دعوے نہیں کرتا۔ یہ تو نزاع لفظی ہے کثرت مکالمہ مخاطبہ کو دوسرے الفاظ میں نبوت کہا جاتا ہے:۔

دیکھو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول کہ:۔

قولوا انہ خاتم النبیین و لا تقولوا لا نبی بعدہٗ

اس امر کی صراحت کرتا ہے۔ نبوت اگر اسلام میں موقوف ہو چکی ہے تو یقیناً جانو کہ اسلام بھی مر گیا۔ اور پھر کوئی امتیازی نشان بھی نہیں ہے۔ ایک باغ جسکو اس کے مالی اور باغبان نے چھوڑ دیا۔ اسے پہلا دیا۔ اس کی آبپاشی کی اس کو فکر نہیں تو نتیجہ ظاہر ہے کہ چند سال بعد وہ باغ خشک ہو کر بے ثمر ہو جائیگا۔ اور آخر کار لکڑیاں جلانے کے کام میں لائی جاویں گی۔ اصل میں ان کی اور ہماری تو

نزاع لفظی ہے

مکالمہ مخاطبہ کا تو یہ لوگ خود بھی اقرار کرتے ہیں۔ مجدد صاحب بھی اس کے قایل ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ جن اولیاء اللہ کو کثرت سے خدا کا مکالمہ مخاطبہ ہوتا ہے وہ محدث اور نبی کہلاتے ہیں۔ اچھا میں پوچھتا ہوں کہ ایک شخص خدا سے خبر پاکر دنیا پر ظاہر کرے۔ تو اس کا نام آپ لوگ عربی زبان میں بجز نبی کے اور کیا تجویز کرتے ہیں؟ عجیب بات ہے کہ اسی لفظ کے مفہوم کو اگر اُردو میں یا پنجابی میں بیان کیا جاوے تو مان لیتے ہیں اور اگر عربی میں پیش کریں۔ تو نفرت اور انکار کرتے ہیں۔ یہ تعصب نہیں تو اور کیا ہے؟۔

اب صرف یہی بات باقی ہے جسے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ان لوگوں نے شاید اس مہذب اور تعلیم یافتہ گروہ کو بھی اس امر میں دھوکا اور ہم سے بدظن کرنے کی کوشش ہو۔ لہذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں پر ظاہر کر دوں کہ:۔ خدا نے مجھے تجدید دین کیواسطے تائید اور نصرت

کیا ہمیشہ تازہ نشانات دکھلائے جاتے ہیں۔ جو دین کو تازہ کر دیا جاوے۔ آپ یقیناً سمجھیں کہ اگر خدا نے مجھے نہ بھیجا ہوتا۔ تو یہ دین بھی اور دینوں کی طرح صرف قصے کہانیوں میں ہی محدود ہو جاتا جو خدا سے آئیوالا نہیں کیا جاتا۔ انجام کار خدا اس کی سرسبزی دنیا پر ظاہر کر دیتا ہے :۔

ان لوگوں نے میری توہین کے واسطے جھوٹ سے تہمت سے افترا سے اور طرح طرح کے حیلوں سے کام کیا ہے۔ اور ہماری ترقی کو روکنے کیواسطے ہم سے لوگوں کو بدظن کرنے کیواسطے سخت سے سخت کوششیں کی ہیں۔ مگر خدا کی قدرت باوجود اس کے ہماری ترقی ہی ہوتی گئی اور ہو رہی ہے۔ حتیٰ کہ اب چار لاکھ سے بھی زیادہ لوگ ہماری جماعت کے مختلف ممالک میں موجود ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ سمجھدار لوگ جب سمجھ لیتے ہیں۔ کہ یہی راہ درست ہے جس پر ہم ہیں اور ہمارا مخالف کسی طرح کی شک ہے تو پھر وہ اس پر سچے دل سے قائم ہو جاتے ہیں :۔

اب ہمیں بتائیں کہ جن کا مذہب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ مرے نہیں۔ بلکہ زندہ ہیں۔ اور **آں حضرت صلے اللہ** علیہ وسلم وفات پا کر مدینہ میں مدفون ہیں۔ بتائیے انہوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پر کیسا حملہ کیا ہے۔ اور پھر کہتے ہیں کہ وہی اسرائیلی نبی پھر دنیا میں آکر امت محمدیہ کی اصلاح اور تجدید دین کرے گا۔ اب فرمائیے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب ایک اسرائیلی نبی آگیا۔ تو پھر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کسطرح خاتم النبیین رہے ؟۔ اس اعتقاد سے تو خاتم النبیین حضرت عیسیٰ ہوئے۔ نہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم حاشا و کلا۔ عیسیٰ تو خود براہ راست خدا کے نبی تھے۔ کیا ان کی پہلی شریعت اور نبوت منسوخ ہو جائے گی ؟ جب سورہ نور میں ہمیں صاف الفاظ میں وعدہ مل چکا ہے کہ جو آویگا تم میں سے ہی آویگا۔ تمہارے غیر کو قدم رکھنے کی گنجائش اب نہیں رہی۔ اور بخاری میں بھی جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے امامکم منکم موجود ہے اور پھر جب کہ ان کی وفات بھی صراحت سے قرآن شریف اور احادیث سے ثابت ہے تو کیوں ایسا اعتقاد رکھا جاتا ہے جو کہ سراسر قرآن مجید اور آں حضرت صلعم کے خلاف ایک عقیدہ ہے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود ان کو معراج کی رات میں وفات شدہ انبیاء کے ساتھ دیکھا۔ اگر وہ زندہ تھے تو ان کے واسطے الگ کوئی مکان تجویز ہونا چاہئیے تھا۔ کہ مردوں میں زندہ کو مردہ سے کیا تعلق اور کیا واسطہ غرض خدا نے قول سے اور آں حضرت صلعم نے اپنے فعل سے ثابت کر دیا۔ کہ وہ وفات پا گئے۔ اب ماذا بعد الحق الا الضلال :۔

مسلمان کہلا کر قرآن اور قول رسول صلعم کو قبول نہیں کرتے تو نہ کریں۔ انکا اختیار ہے۔ میری تکذیب نہیں کرتے بلکہ اس کی جسکی طرف سے میں آیا ہوں۔ اور اس کی جسکا میں غلام ہوں تکذیب کرتے ہیں۔ میں کیا اور میری تکذیب کیا۔ بلکہ یہ تو حضرت کی تکذیب کرتے ہیں۔

بات تو ایک ہی ہے۔ قرآن میں خلیفہ کے آنیکی نص موجود ہے۔ اور احادیث میں قرب قیامت کے وقت آنیوالے خلیفہ کا نام **مسیح** رکھا گیا ہے۔ اب ان میں اختلاف کیا ہے۔ ان الزامات کے سوا دوسرے الزام بھی اسی قسم کے بے حقیقت اور ضد اور تعصب کیوجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان سب کا رد مفصلاً ہم نے اپنی کتابوں میں کر دیا ہے :۔

ان لوگوں کے بعض عقاید تو ایسے ہیں۔ جن سے ایک سچے مسلمان کا دل کانپ جاتا ہے۔ مثلاً ان لوگوں کا عقیدہ ہے۔ کہ

کوئی بھی مس شیطان سے پاک نہیں بجز عیسیٰ علیہ السّلام کے

ان کا یہ مسئلہ کیسا قابل شرم ہے۔ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم افضل الرسل پاکوں کے سردار تو مس شیطان سے (نعوذ باللہ) پاک نہیں۔ اور حضرت عیسیٰ پاک ہیں۔ کیسا افسوس کا مقام ہے۔ خدا جانے مسلمان کہلا کر ان کو کیا ہو گیا۔ دیکھو خود آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے۔ اور خود مسلمان آریوں اور عیسائیوں کے ہمزبان بنے ہوئے ہیں۔ ہمارا اپنا سب سے پیارا نبی جس کی پیروی ہمارا فخر اور ہمارے واسطے باعث عزت اور موجب نجات ہے۔ اگر وہ وفات پا چکے ہیں۔ تو ہم عیسیٰ کو کیا کریں۔

بس !!!

یہ باتیں ہیں جن پر ہمیں کافر کہا جاتا ہے۔ اور اسلام سے خارج کہا جاتا ہے اور ہم سے سلام علیکم کرنے۔ مصافحہ کرنے ملاقات کرنیوالا بھی کافر کہا جاتا ہے۔ ایسا متعدی کفر ہے اور تمام جماعت ایک کافر دل کا مجموعہ ہے۔ کیسا افسوس آتا ہے کہ جو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کے دین کی تجدید اور خدمت کرنے کے واسطے ہر وقت کمربستہ ہے۔ اس کو گندی گالیاں نکالتے ہیں۔ بُرے بُرے ناموں کر یاد کرتے ہیں۔ میرے صندوق بھرے پڑے ہیں۔ ان کی گالیوں کے گندے خطوط سے بعض اوقات بیرنگ خط محصول ادا کر کے وصول کیا۔ کھولکر دیکھا تو اس میں اول سے آخر تک بے نقط گالیوں کے سوا کچھ ہوتا ہی نہیں۔ اور مولوی کہلا کر جو بڑے جاہلوں کیطرح گندی اور فاحش گالیاں نکالتے ہیں۔ کہ انسان کو بڑھ کے تعجب ہی شرم آجاتی ہے۔

ابھی کہتے ہیں کہ اسلام کو کسی کی کیا ضرورت ہے۔ حدیث ہے اور مولوی موجود ہیں۔ یہ

نہیں جانتے کہ ان کے مولوی جو آپ میں بھیڑوں کے گلہ بان ہیں۔ خود بھیڑیئے ہیں۔ اور وہ ریوڑ کیسے خطرہ میں ہے جسکا کوئی نگہبان نہ ہو۔ اسلام پر اندرونی اور بیرونی حملے ہو رہے ہیں۔ اور باریں کہا رہا ہے۔ ایس لیے ایسے شخص کی ضرورت تھی۔ کہ مغالطے اور مشکلات دور کرکے پیچیدہ مسایل کو حل کرکے رستہ صاف کرتا۔ اور اسلام کی اصلی روشنی اور سچائی دوسری قوموں کے سامنے پیش کرتا۔ دیکھو ایک وہ زمانہ تھا۔ کہ عیسائی لوگ کہتے تھے۔ کہ آں حضرت کی کوئی پیشگوئی ہے نہ معجزہ۔ مگر اب میرے سامنے کوئی نہیں آتا۔ حالانکہ ہم بلاتے ہیں :۔

خدا کا یہی ارادہ تھا۔ کہ اس نے اپنے وعدہ کیموافق وقت پر اپنے دین کی خبر گیری اور دست گیری فرمائی ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ سو کو اس نے دنیا میں قائم کیا۔ قرآن کی تعلیم پھیلائی۔ اور اس کی حفاظت کا بھی وہی خود ذمہ وار ہے۔ جب انسان اپنے لگائے **بوٹے** کو التزام سے پانی دیتا ہے تا وہ خشک نہ ہو جائے۔ تو کیا خدا انسان سے بھی گیا گزرا۔ اور لاپرواہ ہے۔ یاد رکھو کہ

اسلام نے جن راہوں سے پہلے ترقی کی تھی اب بھی انہیں راہوں سے ترقی کرے گا!

خشک منطق ایک ڈاکن ہے۔ جس سے انسان آدمی کے اعتقاد میں خلل آجاتا ہے۔ اور ظاہری فلسفے روحانی فلسفے کے بالکل مخالف ہیں :۔

صاحبان یہ امور ہیں۔ جن کی اصلاح کیواسطے میں بھیجا گیا ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں۔ کہ اس مجلس میں سے بعض ایسے بھی لوگ اٹھیں گے۔ کہ ان میں کچھ بھی تبدیلی پیدا نہ ہوئی ہوگی۔ یا ان کے خیالات پر میری ان باتوں کا بھی اثر نہ ہوگا۔ مگر یاد رکھو :۔ جو مجھ سے مقابلہ کرتا ہے۔ وہ مجھ سے نہیں بلکہ اس سے مقابلہ کرتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ اگر ادنےٰ چپراسی کی ہتک کی جائے اور اس کی بات نہ مانی جاوے۔ تو گورنمنٹ سے ہتک کرنیوالے یا نہ ماننے والے کو سزا ملتی ہے اور باز پرس ہوتی ہے۔ تو پھر خدا کی طرف سے آنیوالے کی بے عزتی کرنا اس کی بات کی پرواہ نہ کرنا کیونکر خالی جا سکتا ہے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اگر میرا سلسلہ خدا کیطرف سے نہیں۔ تو یونہی بگڑ جاویگا۔ خواہ کوئی اس کی مخالفت کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ خود اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے :۔ کہ قد خاب من افتری اور ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا۔ اور وہ شخص جو رات کو ایک بات بناتا اور صبح کو لوگوں کو بتاتا۔ اور کہتا ہے کہ مجھے خدا نے ایسا کہا ہے۔ وہ کیونکر بامراد اور بابرکت ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالےٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے۔ لو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین جب ایسے ایک عظیم الشان انسان کے واسطے ایسا فرمان ہے تو پھر ادنےٰ انسان کیواسطے تو چھوٹی سی چھری کی ضرورت تھی۔ اور کبھی کا فیصلہ ہو گیا ہوتا

غیر احمدیوں کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کا آخری فیصلہ

اس وقت غیر احمدیوں کے متعلق احمدیوں کے فتوے کا سوال عام ہو رہا ہے۔ الحکم میں اس سے پہلے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ مگر ایڈیٹر المنیر جھنگ نے خواجہ صاحب کے ایک فتوے کو شائع کرکے تحت ابتلا میں ڈالدیا ہے۔ اور کثرت سے خطوط آ رہے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت صاحبزادہ صاحب کو بھی اس مضمون پر قلم اٹھانا پڑا۔ جہلم کے سراج الاخبار نے حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت خلیفۃ المسیح کے ارشادات اور خواجہ صاحب کے فتوے کو بالمقابل رکھکر سوال کیا ہے کہ ان میں سے صحیح کونسا ہے؟ اس کا جواب اس لحاظ سے تو خود خواجہ صاحب دیں گے۔ مگر میں ایڈیٹر سراج الاخبار کی بے باکی پر افسوس کرتا ہوں۔ کہ کیا وہ اتنا بھی نہیں کہہ سکتا کہ حضرت مسیح موعود اور حضرت خلیفۃ المسیح نے جو کچھ فرمایا ہے وہی صحیح اور حق ہے اور آپ کے صریح ارشاد کے مقابلہ میں کسی شخص کو خواہ کوئی بھی ہو حق اختلاف حاصل نہیں۔ اور نہ ایسا فتوےٰ احمدی قوم کے لئے حجت ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ ہم اپنا امام رکھتے ہیں اسی کا قول فیصل اور ناطق اور حجت ہے۔ خواجہ صاحب اپنی تحریر کے آپ ذمہ دار ہیں۔ جبکہ ایڈیٹر الحکم اپنی کسی رائے کا آپ جوابدہ ہے:-

پیسہ اخبار میں جناب خواجہ صاحب کا جو مضمون طبع ہوا ہے۔ اس کے متعلق یہی بحث چھڑ رہی ہے۔ کہ جب مسٹر فضل حسین صاحب بیرسٹر نے حضرت مسیح موعود نے فرما دیا کہ ہم کسی کلمہ گو کو کافر نہیں کہتے۔ اب کسی کا کیا حق ہے کہ وہ تقدم علی الامام کرے؟ اس لئے اس قسم کے خدشات کو دور کرنے کیواسطے۔ حضرت مسیح موعود کی آخری بالوں کی سے مضمون میں آپکا آخری فیصلہ اس سوال کے متعلق شائع کر دیتے ہیں اس نمبر کے حسب حال ہے:-

(۲) یہ غلط فہمی بیہانہ ہو گئی۔ اگر جناب خواجہ صاحب قبلہ مسٹر فضل حسین صاحب کیساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مکالمہ کو پورا درج کر دیتے تو اس کو پڑھ کر معلوم ہو گا۔ کہ مسٹر فضل حسین صاحب نے بار بار حضرت سے یہ کہلوانا چاہا۔ کہ کسی طرح وہ غیر احمدی لوگوں کے متعلق وہ فتوے دیدیں جو آج خواجہ صاحب نے دیا ہے۔ مگر حضرت نے بار بار اس کی تشریح کی۔ امید ہے کہ اس آخری فیصلہ اور فتوے کے بعد اس سوال کو نہ چھیڑا جاویگا۔ میں یہاں اس غلط فہمی کا ازالہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں اس بحث کو محض امر حق کے اظہار اور امر بالمعروف کے نیچے لکھتا ہوں۔ اگر کوئی شخص اسے زید و بکر کی دوستی یا دشمنی پر محمول کرتا ہے۔ تو وہ میری نیت پر حملہ کرتا ہے۔ اور اظہار حق اور امر معروف کے مقابلہ میں شخصیت کا غلام ہو کر ظلمی پھیلاتا ہے۔ سلسلہ حقہ میں ایک ہی شخصیت ہوتی ہے۔ جو مفترض الطاعۃ ہوتی ہے۔ اور وہ امام کی شخصیت ہے اس پر ہم تقدم اور تقول کرنے کی خدا سے پناہ چاہتے ہیں۔ وہ فیصلہ یہ ہے جو بدر مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء کے صفحہ ۲ پر درج ہے۔ اور جسکو جناب خواجہ صاحب نے اپنی تائید میں پیسہ اخبار میں ادھورا نقل کیا ہے۔

ہمارے مخالفوں نے اپنے آپکو کسطرح کافر بنایا

پھر اس معزز ملاقات کرنے والے (مسٹر فضل حسین صاحب بیرسٹر ایٹ لا) نے عرض کیا کہ اگر تمام غیر احمدیوں کو کافر کہا جاوے۔ تو پھر اسلام میں تو کچھ بھی نہیں رہتا۔

فرمایا۔ ہم کسی کلمہ گو کو اسلام سے خارج نہیں کہتے جب تک کہ وہ ہمیں کافر کہکر خود کافر نہ بنجاوے۔ آپ کو شاید معلوم نہ ہو جب میں نے مامور ہونیکا دعوےٰ کیا۔ تو اس کے بعد بٹالہ کے محمد حسین مولوی ابوسعید صاحب نے بڑی محنت سے ایک فتوےٰ تیار کیا۔ جس میں لکھا تھا کہ یہ شخص کافر ہے دجال ہے۔ ضال ہے۔ اس کا جنازہ نہ پڑھا جاوے۔ جو ان سے السلام علیکم کرے یا مصافحہ یا انہیں مسلمان کہے۔ وہ بھی کافر۔ اب سنو! یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے کہ جو مومن کو کافر کہے وہ کافر ہوتا ہے پھر اس مسئلہ سے ہم کسطرح انکار کر سکتے ہیں۔ آپ لوگ خود ہی کہدیں کہ ان حالات کے ماتحت ہمارے لئے کیا راہ ہے۔ ہم نے انپر پہلے کوئی فتوےٰ نہیں دیا۔ اب انہیں کافر کہا جا سکتا ہے۔ تو یہ انہیں کے کافر بنانے کا نتیجہ ہے ایک شخص نے ہم سے مباہلہ کی درخواست کی۔ ہمنے کہا کہ دو مسلمانوں میں مباہلہ جائز نہیں۔ اس نے جواب لکھا کہ ہم تو تجھے پکا کافر سمجھتے ہیں۔

اس شخص نے عرض کیا کہ وہ آپ کو کافر کہتے ہیں کہیں لیکن اگر آپ نہ کہیں تو اس میں کیا حرج ہے۔ فرمایا جو ہمیں کافر نہیں کہتا۔ ہم اُسے ہرگز کافر نہیں کہتے لیکن جو ہمیں کافر کہتا ہے۔ اُسے کافر نہ سمجھیں تو اس میں حدیث اور متفق علیہ مسئلہ کی مخالفت لازم آتی ہے۔ اور یہ ہم سے نہیں ہو سکتا

اس شخص نے کہا جو کافر نہیں کہتے ان کے ساتھ نماز پڑھنے میں کیا حرج ہے۔ فرمایا۔ کا لیفا۔ [illegible]

فی واحلی موتاین ہم خوب آزما چکے ہیں کہ ایسے لوگ دراصل منافق ہوتے ہیں۔ ان کا حال ہے واذا لقوا الذین اٰمنوا قالوا اٰمنا واذا خلوا الیٰ شیٰطینہم قالوا انا معکم انما نحن مستہزءون یعنے سامنے تو کہتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں کوئی مخالفت نہیں۔ مگر جب اپنے لوگوں سے مخلی بالطبع ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ان سے استہزاء کر رہے تھے۔ پس جب یہ لوگ ایک اشتہار نہ دیں کہ ہم سلسلہ احمدیہ کے لوگوں کو مومن سمجھتے ہیں۔ بلکہ ان کو کافر کہنے والوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ تو میں آج ہی اپنی تمام جماعت کو حکم دیدیتا ہوں کہ وہ ان کے ساتھ ملکر نماز پڑھ لیں۔ ہم سچائی کے پابند ہیں۔ اب ہمیں شریعت سے باہر مجبور نہیں کر سکتے۔ جب اسمیں بالاتفاق مسئلہ متفق ہے کہ مومن کو کافر کہنے والا خود کافر ہے۔ تو ہم انہیں کسطرح مسلمان کہیں۔ اور ان مکفرین اہل حق کو کافر نہ جانیں۔ ہم کسطرح سمجھیں کہ وہ سچے مسلمان ہیں جب ان کے دلوں پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے قول کی عظمت نہیں حالانکہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے سید و مولےٰ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے قول کا پاس کرے۔ اور جو کچھ انہوں نے فرمایا۔ اسی کے مطابق عقیدہ رکھے۔

اس پر اس شخص نے مکرر وہی کہا۔ آپ نے پھر بالتفصیل سمجھایا کہ دیکھو پہلے اپنے ملاں لوگوں سے پوچھ تو دیکھیں کہ وہ ہمیں کیا سمجھتے ہیں۔ وہ تو کہتے ہیں یہ ایسا کافر ہے کہ یہود و نصاریٰ سے بھی اس کا کفر بڑھکر ہے۔ پس جیسا کہ یوسف علیہ السلام کو جب مخلصی کا پیغام پہنچا۔ تو آپ نے فرمایا پہلے ان سے یہ تو پوچھو کہ میرا قصور کیا ہے۔ سو آپ صلے سے پہلے یہ تو پوچھئے کہ ہم میں کفر کی کونسی بات ہے ہم تو جو کچھ کرتے ہیں رکھتے ہیں۔ سبھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت جلال و عزت کا اظہار موجود ہے۔ قرآن مجید میں ہے فمنہم ظالم لنفسہ ومنہم مقتصد ومنہم سابق بالخیرات ہم تو تینوں طبقوں کے لوگوں کو مسلمان کہتے ہیں۔ مگر ان کو کیا کہیں جو مومنوں کو کافر کہیں جو ہمیں کافر نہیں کہتے ہم انہیں بھی اس وقت تک ان کے ساتھ سمجھیں گے۔ جب تک کہ وہ ان سے اپنے الگ ہونے کا اعلان بذریعہ اشتہار نہ کریں اور ساتھ ہی نام بنام یہ نہ لکھیں کہ ہم ان کے مکفرین کو بموجب حدیث صحیح کافر سمجھتے ہیں۔

آخری الفاظ

وہ الفاظ جن پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے رفیق اعلےٰ سے جا ملے۔ یہ تھے:-

اے میرے پیارے! اے میرے پیارے!!

اے میرے پیارے اللہ اے میرے پیارے اللہ

آخری نماز جو آپ نے ادا کی

۲۶- مئی کی صبح کو جب فجر کی نماز کی اذان کان میں پڑی تو پوچھا کہ: "کیا صبح ہو گئی؟" جواب ملنے پر فجر کی نماز کی نیت باندھی اور ادا کی +

آخری تحریر

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء کی شام کو پیغام صلح کا مضمون ختم کیا۔ اور حالت مرض میں قلم دوات منگوا کر کچھ لکھنا چاہا اور کچھ لکھا بھی مگر افسوس ہے - وہ پڑھا نہیں گیا !!!

اطلاع

اس نمبر کے لئے ابھی اس قدر میٹریل میرے پاس موجود ہیں۔ کہ وہ قریباً ۲۴ صفحوں پر آتا۔ مگر اس کے لئے بہت وقت اور خرچ کی ضرورت تھی۔ اس لئے میں نے سر دست اسی حالت میں اس نمبر کو شایع کرنا ضروری سمجھا ہے۔ پھر کسی وقت ان مضامین کو انشاء اللہ شایع کر دیا جاویگا۔

دار الامان کا ہفتہ

۱- حضرت خلیفۃ المسیح مدظلہ العالی کی طبیعت الحمد للہ اب بہت اچھی ہے۔ اگرچہ زخم پورے طور پر مندمل نہیں ہوا۔ تاہم آپ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے ۱۹ مئی ۱۹۱۶ء کو خود مسجد اقصٰے میں جمعہ پڑھایا۔ اس موقعہ کی تقریب پر خاص پرچہ شایع کیا۔ جو درج ذیل ہے۔ اور ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب معالج حضرت اقدس کی عملی تحریک پر ایک یادگار صدقہ جاریہ کی صورت میں قائم کرنے کا ارادہ کیا گیا۔ بعد مشورہ ایک پانی کا نل لگانے کی تجویز ہوئی۔ ایڈیٹر الحکم نے مسجد نور کے نام کیطرح اسکا نام

"چشمہ نور"

تجویز کیا ہے۔ جو احباب اس کار خیر میں شریک ہونا چاہیں۔ وہ ہو سکتے ہیں۔ ۲۶ مئی ۱۹۱۶ء کو بھی حضرت نے خطبہ پڑھا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

۲- حضرت صاحبزادہ صاحب قبلہ کراچی اور بمبئی کے سفر سے مع الخیر واپس تشریف لائے۔ حضرت ام المومنین علیہا السلام بھی خیریت سے قادیان آگئی ہیں +

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدی قوم کیلئے مژدہ جاں فزاء

بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست
کہ ایں مژدہ آسائش جان ماست

جیسا کہ گذشتہ نمبر الحکم میں اعلان کیا گیا تھا۔ ۲۱ مئی ۱۹۱۶ء کا پرچہ ۲۸ مئی ۱۹۱۶ء کے ساتھ شامل کر کے شایع کرنا تجویز ہوا تھا۔ کیونکہ اس نمبر میں معمول کے موافق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یوم وصال کے لحاظ سے۔ ایسے مضامین جمع کئے گئے ہیں۔ جو حضرت اقدس کی خصوصیتوں کے مظہر ہیں۔ اور یہ ڈبل نمبر غیر معمولی حجم سے بہت بڑا ہے۔

۱۹ مئی ۱۹۱۶ء یوم الجمعہ کو حضرت خلیفۃ المسیح مدظلہ العالی مسجد جامع میں تشریف لائے۔ اور آپ نے چھ ماہ کے بعد پہلا جمعہ پڑھایا۔ اس خوشی کی تقریب میں نے مناسب سمجھا کہ اس مژدہ راحت افزا کو ملک میں فوراً پہنچا دوں۔ اس جمعہ کو جو حضرت نے خطبہ پڑھا اسے شایع کرتا ہوں۔ وباللہ التوفیق (ایڈیٹر)

۱۹ مئی ۱۹۱۶ء کا جمعہ احمدی قوم کے سلسلہ کی تاریخ میں اسی طرح یادگار رہیگا

جس طرح ۱۰- نومبر ۱۹۱۵ء کا جمعہ تھا جس روز حضرت خلیفۃ المسیح مدظلہ العالی اپنے سید و مولیٰ آقا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے ماتحت گھوڑے سے گرے اور جس واقعہ نے نہ صرف احمدی قوم کو بلکہ تمام لوگوں کو جو حضرت خلیفۃ المسیح کی نافع الناس شخصیت سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک سخت کرب اور غم میں ڈالدیا۔ یہ تشویش اور بھی بڑھ گئی۔ جب کہ حضرت کی صحت ہوتا ہوتا معرض خطرہ میں پڑنے لگی۔ ان حالات کے درمیان پٹیالے کے کانے دجال کی پیشگوئی پر عام طبیعتوں کا متوجہ ہونا کوئی بڑی بات نہ تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ۱۱- جنوری ۱۹۱۶ء کو مرتد ڈاکٹر کا کذب ثابت کر دیا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح کو احمدی قوم کی تربیت اور عوام کی فیض رسانی کے لئے زندہ رکھا اور اس کلیہ کو ثابت کر دکھایا اما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض غرض یہ سلسلہ علالت کا مختلف رنگوں میں بڑھتا گیا۔ اس کے حالات الحکم میں شایع ہو چکے ہیں۔ یوم جمعہ ۱۹ مئی ۱۹۱۶ء احمدی قوم کیلئے خصوصاً عید کا دن تھا۔ ستعرف یوم العید والعید اقرب کی وحی کی صداقت دوسرے رنگ میں نظر آتی تھی۔ جمعہ کا دن یوم العید کہلاتا ہے۔ اور ہمارے لئے آج دوہری عید تھی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمارا امام پھر مسجد اقصیٰ میں۔ اور اس نے امام ہو کر نماز جمعہ پڑھائی کہ ساکنین دار الامان کی خوشی کا اندازہ ناممکن ہے۔ مسجد اقصیٰ اس وقت خاص برکات اور تجلیات کا مورد ہو رہی تھی۔ حضرت

خلیفۃ المسیح مدظلہ العالی نے منبر پر کھڑے ہو کر جو خطبہ پڑھا وہ ذیل میں درج ہے۔ اس مبارک تقریب پر مکرم بھائی ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب پنشنر میڈیکل ایڈوائزر صدر انجمن معالج حضرت خلیفۃ المسیح نے بڑے جوش سے صدقات کی تحریک کی۔ اور مسجد میں ہی اس کے عام تحریک کیلئے ایڈیٹر الحکم کو متوجہ کیا۔ جسکے لئے اسی وقت اعلان کر دیا گیا۔ اور چاہا کہ قوم کیطرف سے قربانیاں کی جاویں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے امام و مقتدا کو ایسی صحت عطا فرمائی کہ وہ ان کی روحانی تربیت اور تعلیم کے پھر اسی مقام برکات پر کھڑا ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر ہے۔ کہ اس نے اپنے فضل سے ہمیں پھر نوازا۔ میں اس مبارک تقریب پر تمام قوم کو مبارکباد دیتا ہوں اور یہ موقعہ ہے کہ ہم ایکدوسرے کو مبارکباد دیں۔ کیونکہ ہمارے لئے یہ دن عید سے کم نہیں۔ اور ہمارا ہلال چھ ماہ کے بعد طلوع ہوا ہے۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح منبر پر چڑھے۔ تو میری زبان سے بے اختیار نکلا طلع البدر علینا من ثنیۃ الوداع جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام تھا۔ وہ آج پورا ہوا۔ غرض خدا کا شکر ہے۔ کہ ہمیں اپنے امام کے منہ سے پھر خطبہ سننے کا موقعہ ملا۔ اب میں اس خطبہ کو درج کرنے سے پہلے ان لوگوں کو خطاب کر کے کہنا چاہتا ہوں۔ جو ہمیشہ اس سلسلہ کی دشمنی میں بد خبروں کو سننے اور شایع کرنے کے خواہشمند رہتے ہیں۔ کہ کیا تم اب بھی سبق نہ لوگے؟ کب تک اپنی دریدہ دہنیوں اور بے حیائیوں پر اصرار کرتے رہوگے۔

"تھوڑے نہیں نشان جو دکھائے گئے تمہیں"

پھر بھی اس تازہ نشان کو دیکھو۔ کہ وہ جس کے مرنے کی پیشگوئیاں کیجاتی تھیں۔ آج خدا کے فضل سے پھر مسجد میں خطبہ پڑھ رہا ہے۔ اور اپنی قوم کو خدا کے نشانات کا معائنہ کرا رہا ہے۔ حق کے مخالفو! یاد رکھو خدا کی باتیں کبھی ٹلتی ہی نہیں ہیں۔ درمیانی ابتلاء اس لئے ہوتے ہیں۔ کہ دوستوں کے ایمان بڑھیں اور دشمن بدگمان تفاوت میں ترقی کر کے ہلاک ہوں۔ اپنی زبانی قلم۔ اور قلم زبان سے ان معلوں کے نزدیک کر دیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاکت کیلئے دور ڈالدیئے تھے۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ثم الحمد للہ عاجلاً و آجلاً و محبوباً و نجاناً من الھم والغم وشماتۃ الاعداء وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وصفیہ وخاتم الانبیاء محمد وآلہ وخلفائہ +

حضرت خلیفۃ المسیح کا پہلا خطبہ بعد علالت

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ۔

اما بعد اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یٰایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ ولتنظر نفس ما

ما قدمت لغد۔ الآیۃ۔

چھ مہینے گزر گئے ہیں۔ ۶ ماہ کے بعد ساتواں شروع ہے۔ جو مجھے بستر پر گزرا ہے۔ ان چھ ماہ میں میں نے خوب تجربہ کیا ہے کہ اللہ تعالے کے سوا کوئی کسی کے کام نہیں آتا۔ میرے دوستوں نے میرے لئے زور لگائے محنتیں اور خدمتیں کی ہیں۔ مگر میں نے دیکھا ہے کہ اللہ تعالے کا فضل نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ یہ زخم ہے ہاتھ لگا کر دکھایا ایڈیٹر بار ہا آواز آئی کہ اب دو دن میں اچھا ہو جائیگا۔ چار دن میں یا چھ دن میں اچھا ہو جاویگا۔ مگر چلنا ہی ہے میں نے بہت ہی غور کیا ہے۔ خدا کے فضل کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور یہ میں اپنے یقین اور تجربہ کی بناء پر کہتا ہوں کہ

اللہ کو اپنا بناؤ جب وہ ہمارا ہو جائیگا تو سب ہمارا ہی ہے۔ اور وہ

تقویٰ اور صرف تقوے سے اپنا بنتا ہے۔ اس لئے اگر چاہتے ہو کہ اللہ تمہارا ہو جاوے تو تم **تقویٰ اختیار کرو**۔ تقوے ایسی دولت ہے۔ کہ اس سے بڑی بڑی مرادیں حاصل ہوتی ہیں۔ ہر شخص کی فطرت میں ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ کوئی اس کے ساتھ ہو۔ اور وہ عظیم الشان ہو۔ متقی کے لئے اللہ تعالے کا وعدہ ہے **ان اللہ مع المتقین**۔ پس اللہ کی معیت سے بڑھکر اور کیا چاہیئے؟ پھر ہر شخص کی فطرت میں ہے کہ کوئی عظیم الشان اس سے محبت کرے۔ اور اللہ تعالے متقی سے آپ محبت کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا **یحب المتقین**۔ جو اللہ تعالے کا محبوب ہو جاوے اسے کسی اور کی حاجت کیا؟

پھر ہر شخص کو ضرورت ہے کہ اسے رزق ملے اور وہ کھانے پینے دوا، علاج اور تیمارداری۔ غرض بہت سی ضروریات کا محتاج ہے۔ مگر اللہ تعالے متقی کو تمام رزق دیتا ہے۔ یرزقہ من حیث لا یحتسب متقی کو ایسے طریق پر رزق ملتا ہے جو اسکے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ پھر انسان مشکلات میں پھنستا ہے۔ اور ان سے نجات اور رہائی چاہتا ہے۔ متقی کو ایسی مشکلات سے وہ آپ نجات دیتا ہے یجعل لہ مخرجا ہر قسم کی تنگی سے وہ آپ نجات دیتا ہے۔ یہ متقی کی شان ہے۔ پھر اللہ تعالے متقی کو آپ پڑھا دیتا ہے۔ اگرچہ ہمارے اہلحدیث ان معنوں کو پسند نہیں کرتے۔ مگر میں نے غور کیا ہے تو یہ بالکل درست ہے۔ واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ پھر ہر قسم کے دکھوں کو سکھوں سے تقویٰ ہی بدل دیتا ہے یجعل لہ من امرہ یسرا۔ پھر جب متقی انسان ان ثمرات کو پاتا ہے۔ تو میرے دوستو! سب کو تقویٰ اختیار کرنا چاہیئے۔ رزق کیلئے۔ تنگی سے نجات کے لئے تقوے کرو۔ سکھ کیلئے ضرورت ہے تقوے کرو۔ محبت چاہتے ہو تقوے کرو۔ سچا علم چاہتے ہو تقوے کرو۔ میں پھر کہتا ہوں تقویٰ کرو۔ تقوے سے خدا کی محبت ملتی ہے۔ وہ اللہ کا محبوب بنا دیتا ہے۔ دکھوں سے نکالکر سکھوں کا وارث بنا دیتا ہے۔ علوم صحیحہ اسی کے ذریعے ملتے ہیں۔ میں نے اس بیماری میں بڑے تجربے کئے ہیں اور ان سب تجربوں کے بعد کہتا ہوں۔

"سچے ہو جاؤ اللہ کے سوا کوئی کسی کا نہیں"

میں اب زیادہ کھڑا نہیں ہو سکتا۔ میری وصیت ہے مجھے آنکھیں بھی تکلیف ہو گئی ہے۔ پس عمل کرو۔ ولتنظر نفس ما قدمت لغد۔ مومن کو چاہیئے کہ جو کام کرے اس کے انجام کو پہلے سوچ لے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ انسان غضب کے وقت قتل کر دینا چاہتا ہے۔ گالی نکالتا ہے۔ مگر وہ سوچے کہ اسکا انجام کیا ہوگا؟ اس اصل کو مدنظر رکھے تو تقوے کے طریق پر قدم مارنیکی توفیق ملے گی۔ نتائج کا خیال کیونکر پیدا ہو۔ اس لئے اسباب پر ایمان رکھے کہ واللہ خبیر بما تعملون۔ جو کام تم کرتے ہو اللہ تعالے کو اس کی خبر ہے۔ انسان اگر یہ یقین کرے۔ کہ کوئی خبیر بادشاہ ہے۔ جو ہر قسم کی بدکاری۔ دغا۔ فریب سستی اور کاہلی۔ کو دیکھتا ہے۔ اور اس کا بدلہ دیگا۔ تو وہ بچ سکتا ہے ایسا ایمان پیدا کرو۔ بہت سے لوگ ہیں۔ جو اپنے فرائض۔ نوکری۔ حرفہ۔ مزدوری۔ وغیرہ میں سستی کرتے ہیں۔ ایسا کرنے سے رزق حلال نہیں رہتا۔ اللہ تعالے سب کو تقوے کی توفیق دیوے۔ اب میں اس سے زیادہ کھڑا نہیں ہو سکتا دوسرے خطبہ میں من شرور انفسنا پر فرمایا کہ انسان کو دکھ اور مصیبتیں آتی ہیں۔ اس کی اپنی ہی خطاؤں کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

میرا سید ومولیٰ مسیح موعود کے نام سے آیا!

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم
بہ حسنش مگو کسم از گفتہ خود دل
آزاردم
بندہ ختم وز ہر دو جہاں

اپنا تو یہ عقیدہ ہے کہ اس وراء الوراء۔ غیب الغیب ہمہ قدرت ہمہ علم ہستی کو کسی نے دیکھنا ہو تو سید الرسل خاتم الانبیاء حضرت محمد سردار اصفیاء علیہ التحیۃ والثناء میں دیکھے۔ اور اگر کسی کو اس خاتم فیض رسالت کی زیارت کرنیکا شوق ہو تو پھر جری اللہ فی حلل الانبیاء مسیح موعود۔ مہدی مسعود ہی کی ذات ستودہ صفات اس کے لئے آئینہ ہو سکتی ہے۔ میرے مرشد کے وجود باجود ذات والا صفات میں مندرجہ ذیل دس خصوصیتیں ہیں جنسے وہ اقران و امثال سے ممتاز۔ اور ایسی کمالات کے ذات سے ایک خاص الخاص برگزیدگی وخلعت کا تعلق رکھنے والا ثابت ہوتا ہے۔

۱۔ آپ نے بار ہا اسباب کا علی رؤس الاشہاد بڑی تحدی کے ساتھ اعلان کیا۔ کہ میرے مقابلہ میں کسی کی دعا قبول نہ ہوگی یہانتک کہ اگر مخالف دعا کرتا کرتا مر ہی جائے تو بھی اسکا مقصد حاصل نہ ہوگا۔ جو میری ذلت کا خواہاں ہوگا وہ خود ہی ذلیل اور جو میری ناکامی کا جویاں ہوگا وہ خود ناکام رہیگا۔ اور جو میری ہلاکت کا طلبگار ہوگا۔ وہ خود ہلاک ہو جائیگا۔ مثال کیلئے لیکھرام۔ غلام دستگیر لکھو کے والے۔ چراغدین۔ محمد حسین) یہ چند نام ہی کافی ہیں۔ **۲**۔ آپ نے اس زور شور کی طاعون میں جب کہ خدا کے غضب کی کھینچی ہوئی تلوار لوگوں کے سر پر اور چلے سب جاتے رہے اک حضرت تو آپ کا عالم ہے۔ اعلان کیا کہ (انی احافظ کل من فی الدار) میں طاعون سے محفوظ رہونگا بلکہ میرے دار کے اندر رہنے والے۔ اور اگر کوئی دشمن بھی دعویٰ کرے گا تو وہ ضرور ہلاک ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ **۳**۔ جو مجھ سے ان الفاظ میں مباہلہ کریگا۔ کہ جو مگر ہی کے اعتقادات رکھتا ہے وہ پہلے مرجائے تو ضرور میرا مخالف پہلے مرے گا۔ (فتمنوا الموت ان کنتم صادقین) حقیقۃ الوحی پڑھیں۔ کتنے نادانوں نے اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری۔ اور ناکامی کی موت کا شکار ہوئے۔ **۴**۔ سو دو سو بیمار قرعہ اندازی کے طور پر تقسیم کرتے جائیں ایکطرف مسیح موعود ہوں دوسری طرف تمام عالم کے فقراء۔ گدی نشین۔ پھر دیکھیں کس کے بیمار صحتیاب ہوتے ہیں۔ اس مقابلہ پر بھی کوئی نہ آیا۔ اور آپکا دعوے سچا نکلا۔ **۵**۔ آپ نے قرآن مجید کے اعجاز کی ماتحت یہ دعوے کیا کہ میری کتابوں کی مثل کتاب لاؤ۔ تمام دنیا کے علماء فضلاء کو انعامی وعدوں کیساتھ چیلنج دیا۔ مگر کسی کو جرات نہ ہوئی۔ لو نشاء لقلنا مثل ھذا۔ کہنے والونکا منہ بند کرنیکے لئے دس ہزار کے انعام کے ساتھ میعادیں مقرر کیں مگر کوئی مرد میدان نہ نکلا۔ **۶**۔ آپنے دعوے کیا کہ اس زمانہ میں جو علم قرآن مجھے دیا گیا ہے وہ کسی کو نہیں دیا گیا۔ اور جو حقایق و معارف مجھ پر کھلے ہیں۔ وہ کسی پر نہیں کھولے گئے۔ اس محک پر آپ کی ذہب زر خالص ثابت ہوئے۔ اور لا یمسہ الا المطہرون کے رو سے ہر کرانسان گواہ دی کے منہ پر شکست کا پودا پھرا۔ جلسہ مذاہب میں آپکی تقریر بالا رہی۔ اور لیظھرہ علی الدین کلہ کی قرآنی پیشگوئی پوری ہوئی۔ **۷**۔ آپ پیش از وقوع جبکہ حالات و قیاسات سے کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا ہے اخبار غیب کیلئے۔ حقیقۃ الوحی میں دو سو سے زیادہ نشانوں کا ذکر ہے۔ یاتون من کل فج عمیق کی پیشگوئی جن حالات میں کیگئی پھر جس طرح باوجود مخالفت شدید پورے ہوئے۔ اس کا تو کوئی عنادی سے عنادی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ ان باتوں نے فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول کی ماتحت آپ کی رسالت ثابت کی اور بتایا کہ آپ خدا کے دوست ہیں۔ کیونکہ راز کی باتیں خاص الخاص احباب ہی سے ہوا کرتی ہیں **۸**۔ آپ کی تعلیم آپ کی محبت آپ کی قوت قدسی۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ ثبوت کی محتاج ہو۔ "عیاں را چہ بیاں" چار لاکھ احمدی موجود ہیں ان کا من حیث مجموعی تقوے وطہارت اتباع سنت۔ پاک زندگی اس پر زبردست گواہ ہے۔ **۹**۔ اپنے مریدوں کو عرفان کے اس چشمہ پر پہنچایا جہاں ایقان کا آب زلال پلایا جاتا ہے۔ وہ خدا

…………… آپ اپنا آپکا مقصد پورا کرکے اٹھائے گئے اسیح کی …………… اگر آپ صادق نہ ہوتے تو

ریمارک

دفتر الحکم میں بعض جدید اخبارات اور رسالجات اور کتابیں بغرض اظہار رائے آئی ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس سے پہلے ان کے متعلق کچھ نہیں لکھ سکا۔

نظام المشائخ کا رسول نمبر

دہلی کے رسالہ نظام المشائخ کا رسول نمبر اور اس کا تمتہ نہایت قابلیت اور اخلاص کیساتھ ترتیب دیا گیا ہے۔ نظام المشائخ صوفیوں کا اکیلا رسالہ ہے۔ جسکے ذریعہ مشائخ اور صوفیاء زمانہ کی اصلاح کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ اس رسالہ کے مدیر اعلےٰ خواجہ حسن نظامی ہیں۔ جو حضرت محبوب الٰہی صاحب قدس اللہ سرہٗ کی خانقاہ میں ایک روشن خیال اور ضروریات زمانہ سے باخبر نوجوان ہیں۔ اور انکے نائب اور رسالہ کے مینجر اور مالک سید محمد الواحدی ایک پرجوش نوجوان ہیں۔ یہ رسالہ جسکا میں یہاں ذکر کرتا ہوں حضرت سرور عالم فخر بنی آدم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق شایع کیا گیا ہے۔ جس میں کل مضامین کا مرکز یہی ستودہ صفات ذات ہے۔ خواجہ صاحب ملک کے مشہور اہل قلم اور اہل دل لوگوں سے اس رسالہ کے لئے مضامین لکھوائے ہیں یہانتک کہ غیر اقوام کے لیڈروں سے رائے حاصل کی ہے۔ میں نے اس رسالہ کو نہایت شوق اور محبت سے پڑھا ہے۔ اور ہر مسلمان جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت واارادت رکھتا ہے۔ اس کو خاص ذوق سے پڑھتا ہوگا۔ اس قسم کے رسالوں کی اشاعت ملک میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شوکت کو ظاہر کر سکتی ہے۔ اس رسالہ کی ایک کاپی ۸ فی جلد کے حساب سے دفتر نظام المشائخ دہلی سے ملے گی۔ اور یہ قیمت ان مضامین کے لحاظ سے کچھ بھی نہیں۔ میں سفارش کرتا ہوں۔ کہ اس نمبر کو ضرور منگوا لیا جاوے۔

وقت

یہ ایک نیا اخبار ہے جو لاہور سے شایع ہوتا ہے۔ اس وقت تک ۱۶ نمبر اس کے چھپ کے نکل چکے ہیں۔ وقت ضرورت وقت کے لحاظ سے مسلم پریس میں قابل قدر اضافہ ہے۔ کسی اخبار کی خوبی کا انحصار زیادہ تر اس کے ایڈیٹر پر ہوتا ہے۔ وقت ایک کہنہ مشق اور صاحب تجربہ ایڈیٹر مرزا علی حسین صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ مرزا صاحب اخباری دنیا میں ایک مستند اہل قلم ہیں۔ وقت نہایت محنت اور مستعدی سے ایڈٹ کیا جاتا ہے اور اس میں تمام آپ ٹو ڈیٹ معاملات پر بحث کیجاتی ہے۔ میں دل سے وقت کی کامیابی کا خدا تعالےٰ سے آرزومند ہوں۔ ایڈیٹر وقت لاہور کے نام درخواست ہونی چاہیئے۔

آریہ دھرم کا فوٹو

میرے نہایت ہی پیارے بھائی ڈاکٹر محمد یوسف ایل ایم ایس نور کی تازہ تصنیف ہے جس میں ایک ناول کے پیرایہ میں آریہ سماج کے تمام اصولوں کی حقیقت کو طشت از بام کر دیا ہے۔ نور کے قلم کی ترتیب اور تحقیقی روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ وہ ایک ظاہری بات ہے۔ آریہ سماج کے کیپ میں اس مختصر سے رسالہ کے ذریعہ شور مچ جانا تعجب کی بات نہیں۔ یہ کتاب نوجوانوں میں کثرت سے پھیلانی چاہیئے۔ اور ان علاقوں میں جہاں آریہ مشنری نومسلموں پر اپنا جال پھیلاتے ہیں شایع کرنی ضروری ہے۔ قیمت صرف ۶ دفتر نور قادیان سے منگوائیے۔

بھارت درپن

منشی محمد حسین صاحب اپیل نویس بٹالہ پہلے شخص ہیں۔ جنہوں نے انجمن مطیع سرکار کی بنیاد رکھی اور ۱۹۰۶ء کے دنگی فیشن میں بڑے زور سے گورنمنٹ برطانیہ کی وفاداری اور خیرخواہی کیلئے انہوں نے متعدد لیکچر دیئے۔ لاہور کے مختون آریہ دھرم پال نے تجلی الاسلام نام کتاب لکھکر اسلام پر خطرناک حملے کئے تھے اور ہزاروں کی تعداد میں اس کتاب کو ملک کے مختلف حصوں میں پھیلایا۔ جس سے ہندو مسلمانوں میں سخت درجہ کے تنفر پیدا ہونے کا احتمال تھا۔ منشی حسین بخش صاحب نے اس کتاب کا جواب بھارت درپن کے نام سے نہایت متانت۔ سلامت اور شرافت سے دیا ہے۔ یہ رسالہ بھارت درپن ہندو مسلمانوں میں دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کے علاوہ گورنمنٹ کی برکات کو بھی ظاہر کرتا ہے اور وہ ہر میاں اعتراضات کا ایسا دندان شکن جواب ہے جو آریوں کو بھی مزا چکھا دیگا۔ مسلمانوں کو اس قسم کی کتابوں کی اشاعت میں خصوصاً مدد دینی چاہیئے۔ قیمت صرف ۵ ہے۔ منشی حسین بخش اپیل نویس وسیکرٹری انجمن اسلامیہ بٹالہ کے نام درخواست کرنے سے ملیگا۔

الاسلام

یہ ایک نیا اخبار ہے۔ جو ابھی لاہور سے ہمارے سلسلے کے ایک باہمت نوجوان چوہدری و مولوی عبد اللطیف خان راجپوت آف گنا چور نے شایع کیا ہے۔ چوہدری صاحب گوا حمدی ہیں۔ مگر اخبار کا موضوع بہت وسیع اور عام ہے اور وہ الاسلام کے ذریعہ عام اخباری اغراض کے علاوہ اشاعت اسلام گورنمنٹ کی اطاعت و وفاداری اہل اسلام اور کل اہل ہند کی دینی و دنیوی بھلائی کرنیکا اعلان کرتے ہیں۔ اغراض اور مقاصد بہت عمدہ اور قابل قدر ہیں۔ ایسے مقاصد کی تکمیل کے لئے تمام اہل ملک اور اہل اسلام کا مدد دینا بہت مناسب ہے۔ چوہدری صاحب ایک محنتی نوجوان ہیں۔ ان کی محنت کی داد اہل ملک کو دینی چاہیئے۔ خدا کرے الاسلام کامیاب ہو۔ اس اخبار کی قیمت سالانہ [illegible] روپیہ ہے۔

تاریخ اسلام کے دلچسپ واقعات

منشی غلام قادر فصیح مشہور اخبار نویس ہیں۔ انکی قلم میں قوت اور بیان میں سلاست اہل قلم لوگوں میں تسلیم کی گئی ہے وہ ایک عمدہ مترجم ہیں حال میں انہوں نے مندرجہ حاشیہ نام رسالہ بیندرہ جاری کر کے مسلمانوں کی بہت بڑی ضرورت کو پورا کیا ہے۔ اس میں ذرا بھی کلام نہیں کہ مسلمان اپنی تاریخ سے بالکل ناواقف اور بے خبر ہیں۔ مسلمانوں میں قومی اور عملی جذبہ پیدا کرنیکے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی تاریخ سے واقف ہوں۔ فصیح صاحب نے نہایت سلیس اور عام فہم طریق پر ان رسالوں کو ترتیب دیا ہے اور تاریخ اسلام کو ایسے طور پر پیش کیا ہے۔ کہ باوجودیکہ تاریخ ایک خشک مضمون سمجھا گیا ہے۔ مگر کوئی شخص ان رسالوں کو شروع کر کے ختم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میری دانست میں یہ رسالے اسلامی مدارس میں داخل نصاب ہونے چاہئیں۔ اور اسلامی انجمنوں کو کثرت کیساتھ انہیں پھیلانے میں مدد دینی چاہیئے۔ ہر رسالہ کی قیمت معہ محصولڈاک ۲ ہے۔

میرے خیال میں ہر مسلمان کا قومی فرض ہے کہ وہ ان رسالوں کو پڑھے۔ بیرون ست ایک روپیہ بھیجدینے پر ۹ رسالے پہونچ جاویں گے یا ایک سال کے لئے چھ روپے بھیجدیئے جاویں۔ تمام درخواستیں منشی غلام قادر فصیح ایڈیٹر رسالہ تاریخ اسلام کے دلچسپ واقعات ڈاکخانہ سیالکوٹ کے نام آنی چاہئیں۔

اسلام اور بدھ مذہب

مولوی عزیز مرزا صاحب بی اے سکرٹری مسلم لیگ نے ایک آدیب میں مضمون بدھ مذہب تعلیم کی خوبیوں کو ظاہر کیا گیا تھا اس مضمون میں انہوں نے یہ دعوےٰ بھی کیا تھا کہ اخلاق کے جو اعلےٰ نمونے بدھ مذہب کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ وہ دنیا کے لٹریچر میں عدیم المثال ہیں۔ اس تعدی پر ایک غیور مسلمان کیونکر خاموش رہ سکتا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس تعدی پر غیرت کا اظہار کرنیوالا ایک احمدی نوجوان ہے۔ عزیز مرزا کا نام اپنی قابلیت اور وجاہت کے لحاظ کر اسلامی ہند میں عزت سے لیا جاتا ہے۔ اور انکی قومی خدمات انہیں واجب الاحترام قرار دیتی ہیں۔ مگر دینی حرارت اور غیرت بھی عجیب چیز ہے۔ کہ اس کے مقابلہ میں اگر تمام وجاہتیں گر جاتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کے ایک ممبر میر محمد اسحاق صاحب خلف الرشید حضرت میر ناصر نواب صاحب قبلہ نے عزیز مرزا کے اس مضمون کی تنقید کی ہے اور مقابلہ کر کے دکھایا ہے۔ کہ دنیا میں صرف قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جسکی تعلیم دنیا بھر کے لٹریچر میں بینظیر اور عدیم المثال ہے۔ یہ رسالہ قرآن مجید کی عظمت اور شوکت کے اظہار میں لکھا گیا ہے اور ہمارے قابل قدر ہونہار نوجوان کی مذہبی غیرت کو ثابت کرتا ہے۔ جس کو پڑھکر معلوم ہوتا ہے کہ اس جوان کی حوصلہ افزائی سے اسلامی خدمت کیلئے ایک موجودہ جذبہ نیکی تحریک ہوگی۔ اس رسالہ کی عدیم المثل کامیابی کو عزیز مرزا صاحب نے تسلیم کر لیا ہے جو انکی نیت نیک کا ثبوت ہے۔ ۔ ۔ ہر [illegible] فی جلد کے حساب سے میاں محمد یامین تاجر کتب سہارنپوری قادیان سے درخواست کرنے پر ملیگا۔

تزک احمدی یعنی حضرت مسیح موعود کی خود نوشت لائف

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی سوانحمری مختصر طور پر آپ لکھی ہے۔ جس کو اس نمبر میں درج کر دیا جاتا ہے۔ واقعات کی ترتیب بالتفصیل اس کا مقصد نہیں بلکہ عام واقفیت اس مانیو گرفی کا مدعا ہے۔ اس سے امید ہے اسکو خاص دلچسپی سے پڑھا جائیگا۔ (ایڈیٹر)

اب میری سوانح اس طرح پر ہیں۔ کہ میرا نام غلام احمد ہے میرے والد صاحب کا نام غلام مرتضیٰ اور دادا صاحب کا نام عطا محمد اور میرے پڑدادا صاحب کا نام گل محمد تھا۔ اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ ہماری قوم مغل برلاس ہے۔ اور میرے بزرگوں کے پرانے کاغذات سے جو اب تک محفوظ ہیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اس ملک میں سمرقند سے آئے تھے۔ اور ان کے ساتھ قریباً دو سو آدمی ان کے توابع اور خدام اور اہل وعیال میں سے تھے۔ اور وہ ایک معزز رئیس کی حیثیت سے اس ملک میں داخل ہوئے۔ اور اس قصبہ کی جگہ میں۔ جو اس وقت ایک جنگل پڑا ہوا تھا جو لاہور سے تخمیناً بفاصلہ پچاس کوس بگوشہ شمال مشرق واقع ہے۔ فروکش ہو گئے جس کو انہوں نے آباد کر کے اس کا نام اسلام پور رکھا جو پیچھے سے اسلام پور قاضی ماجھی کے نام سے مشہور ہوا۔ اور رفتہ رفتہ اسلام پور کا لفظ لوگوں کو بھول گیا۔ اور قاضی ماجھی کی جگہ قاضی رہا۔ اور پھر آخر قادی بنا۔ اور پھر اس سے بگڑ کر قادیان بن گیا۔ اور قاضی ماجھی کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ علاقہ جس کا طولانی حصہ قریباً آٹھ کوس ہے ان دنوں میں سب کا سب ماجھہ کہلاتا تھا۔ غالباً اس وجہ سے اس کا نام ماجھہ تھا کہ اس ملک میں بھینس بکثرت ہوتی تھیں اور ماجھہ زبان ہندی میں بھینس کو کہتے ہیں۔ اور چونکہ ہمارے بزرگوں کو علاوہ دیہات جاگیرداری کے اس تمام علاقہ کی حکومت بھی ملی تھی۔ اس لئے قاضی کے نام سے مشہور ہوئے۔ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ کیوں اور کس وجہ سے ہمارے بزرگ سمرقند سے اس ملک میں آئے مگر کاغذات سے یہ پتہ ملتا ہے کہ اس ملک میں بھی وہ معزز امراء اور خاندان والیان ملک میں سے تھے۔ اور انہیں کسی قومی خصومت اور تفرقہ کی وجہ سے اس ملک کو چھوڑنا پڑا تھا۔ پھر اس ملک میں آکر بادشاہ وقت کیطرف سے بہت سے دیہات بطور جاگیر ان کو ملے۔ چنانچہ اس نواح میں ایک مستقل ریاست ان کی ہو گئی۔

سکھوں کے ابتدائی زمانہ میں میرے پردادا صاحب میرزا گل محمد ایک نامور اور مشہور رئیس اس نواح کے تھے جنکے پاس اس وقت ۸۵ گاؤں تھے اور بہت سے گاؤں سکھوں کے متواتر حملوں کیوجہ سے انکے قبضہ سے نکل گئے۔ تاہم ان کی جوانمردی اور فیاضی کی یہ حالت تھی کہ اس قدر قلیل میں سے بھی کئی گاؤں انہوں نے مروت کے طور پر بعض تفرقہ زدہ مسلمان رئیسوں کو دیدیئے تھے۔ جو اب تک ان کے پاس ہیں۔ غرض وہ اس طوائف الملوکی کے زمانہ میں اپنے نواح میں ایک خود مختار رئیس تھے۔ ہمیشہ قریب پانسو آدمی کے یعنی کبھی کم اور کبھی زیادہ ان کے دسترخوان پر روٹی کھاتے تھے۔ اور ایک سو کے قریب علماء اور صلحاء اور حافظ قرآن شریف کے ان کے پاس رہتے تھے۔ جن کے کافی وظیفے مقرر تھے۔ اور ان کے دربار میں اکثر قال اللہ اور قال الرسول کا ذکر بہت ہوتا تھا۔ اور تمام ملازمین اور متعلقین میں سے کوئی ایسا نہ تھا۔ جو تارک نماز ہو۔ یہانتک کہ چکی پیسنے والی عورتیں بھی پنجوقتہ نماز اور تہجد پڑھتی تھیں اور گردونواح کے معزز مسلمان جو اکثر افغان تھے قادیان کو جو اس وقت اسلام پور کہلاتا تھا مکہ کہتے تھے۔ کیونکہ اس پر آشوب زمانہ میں ہر ایک مسلمان کے لئے یہ قصبہ مبارکہ پناہ کی جگہ تھی اور دوسری اکثر جگہ میں کفر اور فسق اور ظلم نظر آتا تھا۔ اور قادیان میں اسلام اور تقویٰ اور طہارت اور عدالت کی خوشبو آتی تھی۔ میں نے خود اس زمانہ سے قریب زمانہ پانیوالوں کو دیکھا ہے کہ وہ اس قدر قادیان کی عمدہ حالت بیان کرتے تھے۔ کہ گویا وہ اس زمانہ میں ایک باغ تھا۔ جس میں حامیان دین اور صلحاء اور علماء اور نہایت شریف اور جوانمرد آدمیوں کے صدہا پودے پائے جاتے تھے۔ اور اس نواح میں یہ واقعات نہایت مشہور ہیں کہ میرزا گل محمد صاحب مرحوم مشائخ وقت کے بزرگ لوگوں میں سے اور صاحب خوارق اور کرامات تھے جن کی صحبت میں رہنے کیلئے بہت سے اہل اللہ اور صلحاء اور فضلا قادیان میں جمع ہو گئے تھے۔ اور عجیب تر یہ کہ کئی کرامات ان کی ایسی مشہور ہیں۔ جن کی نسبت ایک گروہ کثیر مخالفان دین کا بھی گواہی دیتا رہا ہے۔ غرض وہ علاوہ ریاست اور امارت کے اپنی دیانت اور تقویٰ اور مردانہ ہمت اور اولوالعزمی اور حمایت دین اور ہمدردی مسلمانوں کی صفت میں نہایت مشہور تھے اور ان کی مجلس میں بیٹھنے والے سب کے سب متقی اور نیک چلن اور اسلامی غیرت رکھنے والے اور فسق و فجور سے دور رہنے والے اور بہادر اور بارعب آدمی تھے۔ چنانچہ میں نے کئی دفعہ اپنے والد صاحب مرحوم سے سنا ہے کہ اس زمانہ میں ایک دفعہ ایک وزیر سلطنت مغلیہ کا قادیان میں آیا۔ جو غیاث الدولہ کے نام سے مشہور تھا۔ اور اس نے مرزا گل محمد صاحب کے مدبرانہ طریق اور بیدار مغزی اور ہمت اور اولوالعزمی اور استقلال عقل اور فہم اور حمایت اسلام اور جوش نصرت دین اور تقویٰ اور طہارت اور دربار کے وقار کو دیکھا اور ان کے مختصر دربار کو نہایت متین اور عقلمند اور نیک چلن اور بہادر مردوں سے پر پایا تب وہ چشم پر آب ہو کر بولا۔ کہ اگر مجھے پہلے یہ خبر ہوتی۔ کہ اس جنگل میں خاندان مغلیہ میں سے ایسا مرد موجود ہے جس میں صفات ضروریہ سلطنت کے پائے جاتے ہیں۔ تو میں اسلامی سلطنت کے محفوظ رکھنے کیلئے کوشش کرتا۔ کہ ایام کسل اور نالیاقتی اور بد وضعی ملوک چغتائیہ میں اسی کو تخت دہلی پر بٹھایا جاتا۔

اس جگہ اس بات کا لکھنا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ کہ میرے پردادا صاحب موصوف یعنی مرزا گل محمد نے ہچکی کی بیماری سے جس کے ساتھ اور عوارض بھی تھے وفات پائی تھی۔ بیماری کے غلبہ کے وقت اطباء نے اتفاق کر کے کہا کہ اس مرض کیلئے اگر چند روز شراب کو استعمال کرایا جاوے تو غالباً اس سے فائدہ ہوگا۔ مگر جراءت نہیں رکھتے تھے کہ ان کی خدمت میں عرض کریں۔ آخر بعض نے ان میں سے ایک نرم تقریر میں عرض کر دیا۔ تب انہوں نے کہا کہ اگر خدا تعالیٰ کو شفا دینا منظور ہو تو اس کی پیدا کردہ اور بھی بہت سی دوائیں ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ اس پلید چیز کو استعمال کروں اور میں خدا کی قضا و قدر پر راضی ہوں۔ آخر چند روز کے بعد اسی مرض سے انتقال فرمایا موت تو مقدر تھی مگر یہ ان کا طریق تقویٰ ہمیشہ کیلئے یادگار رہا۔ کہ موت کو شراب پر اختیار کر لیا۔ موت سے بچنے کے لئے انسان کیا کچھ نہیں کرتا۔ لیکن انہوں نے معصیت کرنے سے موت کو بہتر سمجھا۔ افسوس ان بعض نوابوں اور امیروں اور رئیسوں کی حالت پر کہ اس چند روزہ زندگی میں اپنے خدا اور اس کے احکام سے بکلی لاپرواہ ہو کر اور خدا تعالیٰ سے سارے علاقے توڑ کر دل کھول کر ارتکاب معصیت کرتے ہیں اور شراب کو پانی کیطرح پیتے ہیں۔ اور اس طرح اپنی زندگی کو نہایت پلید اور ناپاک کر کے عمر طبعی سے بھی محروم رہتے ہیں۔ اور بعض ہولناک عوارض میں مبتلا ہو کر جلد تر مر جاتے ہیں۔ اور آئندہ نسلوں کیلئے نہایت خبیث نمونہ چھوڑ جاتے ہیں۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب میرے پردادا صاحب فوت ہوئے تو بجائے ان کے میرے دادا صاحب یعنی مرزا عطا محمد فرزند رشید ان کے گدی نشین ہوئے۔ ان کے وقت میں خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت سے لڑائی میں سکھ غالب آئے۔ دادا صاحب مرحوم نے اپنی ریاست کی حفاظت کیلئے بہت تدبیریں کیں۔ مگر جبکہ قضا و قدر ان کے ارادہ کے موافق نہ تھی۔ اس لئے ناکام رہے اور کوئی تدبیر پیش نہ گئی۔ اور روز بروز سکھ لوگ ہماری ریاست کے دیہات پر قبضہ کرتے گئے۔ یہانتک کہ دادا صاحب مرحوم کے پاس صرف ایک قادیان رہ گئی اور قادیان اس وقت ایک قلعہ کی صورت پر قصبہ تھا۔ اور اس کے چار برج تھے اور برجوں میں فوج کے آدمی رہتے تھے۔ اور چند توپیں تھیں۔ اور فصیل بائیس فٹ کے قریب اونچی اور اس قدر چوڑی تھی۔ کہ تین چھکڑے آسانی سے ایک دوسرے کے مقابل جا سکتے تھے۔ اور ایسا ہوا کہ ایک گروہ سکھوں کا جو رام گڑھیہ کہلاتا تھا۔ اول فریب کی راہ سے اجازت لیکر قادیان میں داخل ہوا۔ اور پھر قبضہ کر لیا۔ اس وقت ہمارے بزرگوں پر بڑی تباہی آئی۔ اور اسرائیلی قوم کیطرح وہ

...الصفات ظاہر کرتے ہیں۔ کہ ہمارے اباء اولین فارسی تھے ولحق ما اظہرہ اللہ۔ منہ

وہ اسیروں کی مانند پکڑے گئے۔ اور ان کی مال و متاع سب لوٹی گئی۔ کئی مسجدیں اور عمدہ عمدہ مکانات مسمار کئے گئے۔ اور جہالت اور تعصب سے باغوں کو کاٹ دیا گیا۔ اور بعض مسجدیں جن میں سے ابتک ایک مسجد سکھوں کے قبضہ میں ہے۔ دہرم سالہ یعنے سکھوں کا معبد بنایا گیا۔ اس ہمارے بزرگوں کا ایک کتب خانہ بھی جلایا گیا۔ جس میں پانچسو نسخہ قرآن شریف کا قلمی تھا۔ جو نہایت بے ادبی سے جلایا گیا۔ اور آخر سکھوں نے کچھ سوچکر ہمارے بزرگوں کو نکل جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ تمام مرد و زن چھکڑوں میں بٹھا کر نکالے گئے۔ اور وہ پنجاب کی ایک ریاست میں پناہ گزین ہوئے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد انہی دشمنوں کے منصوبے سے میرے دادا صاحب کو زہر دی گئی۔ پھر رنجیت سنگھ کے آخری زمانہ میں میرے والد صاحب مرحوم مرزا غلام مرتضےٰ قادیان میں واپس آئے اور مرزا صاحب موصوف کو اپنے والد صاحب مرحوم کے دیہات میں سے پانچ گاؤں واپس ملے۔ کیونکہ اس عرصہ میں رنجیت سنگھ نے دوسری اکثر چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو دبا کر ایک بڑی ریاست بنالی تھی۔ سو ہماری تمام دیہات بھی رنجیت سنگھ کے قبضہ میں آگئے تھے۔ اور لاہور سے لیکر پشاور تک اور دوسری طرف لودھیانہ تک اس کی ملکداری کا سلسلہ پھیل گیا تھا۔ غرض ہماری پورانی ریاست خاک میں ملکر آخر پانچ گاؤں ہاتھ میں رہ گئے۔ پھر بھی بلحاظ پورانے خاندان کے میرے والد صاحب مرحوم غلام مرتضےٰ اس نواح میں ایک مشہور رئیس تھے۔ گورنر جنرل کے دربار میں بزمرہ کرسی نشین رئیسوں کے ہمیشہ بلائے جاتے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں انہوں نے سرکار انگریزی کی خدمتگاری میں پچاس گھوڑے معہ پچاس سواروں کے اپنی گرہ سے خرید کر دیئے تھے۔ اور آئندہ گورنمنٹ کو اس قسم کی مدد کا عند الضرورت وعدہ بھی دیا۔ اور سرکار انگریزی کے حکام سے بجلدوے خدمات عمدہ عمدہ چٹھیات خوشنودی مزاج ان کو ملی تھیں۔ چنانچہ سر لیپل گریفن صاحب نے بھی اپنی کتاب تاریخ رئیسان پنجاب میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ غرض وہ حکام کی نظر میں بہت ہردلعزیز تھے۔ اور بسا اوقات ان کی دلجوئی کے لئے حکام وقت ڈپٹی کمشنر ان کے مکان پر آکر ان کی ملاقات کرتے تھے۔ یہ مختصر میرے خاندان کا حال ہے میں ضروری نہیں دیکھتا کہ اس کو بہت طول دوں۔

اب میری ذاتی سوانح یہ ہیں کہ میری پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی ہے۔ اور میں ۱۸۵۷ء میں سولہ برس یا سترھویں برس میں تھا اور ابھی ریش و بروت کا آغاز نہیں تھا۔ میری پیدائش سے پہلے میرے والد صاحب نے بڑے بڑے مصائب دیکھے ایک دفعہ ہندوستان کا پیادہ پا سیر بھی کیا۔ لیکن میری پیدائش کے دنوں میں ان کا تنگی کا زمانہ فراخی کیطرف بدل گیا تھا۔ اور یہ خدا تعالےٰ کی رحمت ہے کہ میں نے اُن کے زمانہ سے کچھ بھی حصہ نہیں لیا۔ اور نہ اپنے دوسرے بزرگوں کی ریاست اور ملکداری سے کچھ حصہ پایا۔ بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح جن کے ہاتھ میں صرف نام کی شاہزادگی بوجہ داؤد کی نسل سے ہونیکی تھی۔ اور ملکداری کے اسباب سب کچھ کھو بیٹھے تھے۔ ایسا ہی میرے لئے بھی بگفتن یہ بات حاصل ہے کہ ایسے رئیسوں اور ملکداروں کی اولاد میں سے ہوں۔ شاید یہ اسلئے ہوا کہ یہ مشابہت بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پوری ہو۔ اگرچہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح یہ تو نہیں کہہ سکتا۔ کہ میرے لئے سر رکھنے کی جگہ نہیں مگر میں جانتا ہوں کہ وہ تمام صف ہمارے اجداد کی ریاست اور ملکداری کی لپیٹی گئی۔ اور وہ سلسلہ ہمارے وقت میں آکر بالکل ختم ہو گیا۔ اور ایسا ہوا تاکہ خدا تعالےٰ نیا سلسلہ قائم کرے۔ جیسا کہ براہین احمدیہ میں اس سبحانہ کیطرف سے یہ الہام ہے۔ سبحان اللّٰہ تبارک و تعالیٰ زاد مجدک ینقطع اباءک و یبدء منک یعنے خدا جو بہت برکتوں والا اور بلند اور پاک ہے اس نے تیری بزرگی کو تیرے خاندان کی نسبت زیادہ کیا۔ اب سے تیرے اباء کا ذکر قطع کیا جائیگا۔ اور خدا تجھ سے شروع کریگا۔ اور ایسا ہی اس نے مجھے بشارت دی۔ کہ میں تجھے برکت دونگا۔ یہانتک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔

پھر میں پہلے سلسلہ کیطرف عود کرکے لکھتا ہوں کہ بچپن کے زمانہ میں میری تعلیم اس طرح ہوئی کہ جب میں چھ سات سال کا تھا۔ تو ایک فارسی خوان معلم میرے لئے نوکر رکھا گیا۔ جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں۔ اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا۔ اور جب میری عمر قریباً دس کے ہوئی تو ایک عربی خوان مولوی صاحب میری تربیت کیلئے مقرر ہوئے۔ جنکا نام فضل احمد تھا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ چونکہ میری تعلیم خدا تعالےٰ کے فضل کی ایک ابتدائی تخم ریزی تھی۔ اس لئے ان استادوں کے نام کا پہلا لفظ بھی فضل ہی تھا۔ مولوی صاحب موصوف جو ایک دیندار اور بزرگوار آدمی تھے۔ وہ بہت توجہ اور محنت سے پڑھاتے رہے۔ اور میں نے صرف کی کتابیں اور کچھ قواعد نحو ان سے پڑھے۔ اور بعد اس کے جب میں سترہ یا اٹھارہ سال کا ہوا۔ تو ایک اور مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ان کا نام گل علی شاہ تھا۔ ان کو بھی میرے والد صاحب نے نوکر رکھکر قادیان میں پڑھانے کے لئے مقرر کیا تھا۔ اور ان آخر الذکر مولوی صاحب سے میں نے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروجہ کو جہانتک خدا تعالےٰ نے چاہا حاصل کیا۔ اور بعض طبابت کی کتابیں میں نے اپنے والد صاحب سے پڑھیں اور وہ فن طبابت میں بڑے حاذق طبیب تھے۔ اور ان دنوں میں مجھے کتابوں کے دیکھنے کی طرف اس قدر توجہ تھی کہ گویا میں دنیا میں نہ تھا۔ میرے والد صاحب مجھے بار بار یہی ہدایت کرتے تھے کہ کتابوں کا مطالعہ کم کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ نہایت ہمدردی سے ڈرتے تھے کہ صحت میں فرق نہ آوے۔ اور نیز انکا یہ بھی مطلب تھا کہ میں اس شغل سے الگ ہوکر ان کے غموم و ہموم میں شریک ہو جاؤں۔ آخر ایسا ہی ہوا۔ میرے والد صاحب اپنے بعض آبا و اجداد کے دیہات کو دوبارہ لینے کیلئے انگریزی عدالتوں میں مقدمات کر رہے تھے۔ انہوں نے انہی مقدمات میں مجھے بھی لگایا۔ اور ایک زمانہ دراز تک میں ان کاموں میں مشغول رہا۔ مجھے افسوس ہے کہ بہت سا وقت عزیز میرا ان بیہودہ جھگڑوں میں ضایع گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی والد صاحب موصوف نے زمینداری امور کی نگرانی میں مجھے لگا دیا۔ میں اس طبیعت اور فطرت کا آدمی نہیں تھا۔ اس لئے اکثر والد صاحب کی ناراضگی کا نشانہ رہتا رہا۔ ان کی ہمدردی اور مہربانی میرے پر نہایت درجہ پر تھی۔ مگر وہ چاہتے تھے کہ دنیاداروں کیطرح مجھے رو بخلق بنادیں۔ اور میری طبیعت اس طریق سے سخت بیزار تھی۔ ایک مرتبہ ایک صاحب کمشنر نے قادیان میں آنا چاہا میرے والد صاحب نے بار بار مجھکو کہا کہ ان کی پیشوائی کے لئے دو تین کوس جانا چاہیئے۔ مگر میری طبیعت نے نہایت کراہت کی اور میں بیمار بھی تھا۔ اس لئے نہ جاسکا۔ پس یہ امر بھی انکی ناراضگی کا موجب ہوا۔ اور وہ چاہتے تھے کہ میں دنیوی امور میں غرق رہوں۔ جو مجھ سے نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر تاہم میں خیال کرتا ہوں کہ میں نے نیک نیتی سے نہ دنیا کیلئے بلکہ محض ثواب اطاعت حاصل کرنیکے لئے اپنے والد صاحب کی خدمت میں اپنے تئیں محو کر دیا تھا۔ اور ان کے لئے دعا میں مشغول رہتا تھا۔ اور وہ مجھے دلی یقین سے بَرٌّ بالوالدین جانتے تھے۔ اور بسا اوقات کہا کرتے تھے۔ کہ میں صرف ترحم کے طور پر اپنے اس بیٹے کو دنیا کے امور کیطرف توجہ دلاتا ہوں ورنہ میں جانتا ہوں۔ کہ جس طرف اس کی توجہ ہے یعنے دین کیطرف صحیح اور سچ بات یہی ہے۔ ہم تو اپنی عمر ضایع کر رہے ہیں۔ ایسا ہی ان کے زیر سایہ ہونیکے ایام میں چند سال تک میری عمر کراہت طبع کیساتھ انگریزی ملازمت میں بسر ہوئی۔ آخر چونکہ میرا جدا رہنا میرے والد صاحب پر بہت گراں تھا۔ اس لئے ان کے حکم سے جو عین میری منشاء کیموافق تھا۔ میں نے استعفاء دیکر اپنے تئیں اس نوکری سے جو میری طبیعت کے مخالف تھی سبکدوش کر دیا۔ اور پھر والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوگیا اس تجربہ سے مجھے معلوم ہوا۔ کہ اکثر نوکری پیشہ نہایت گندی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان میں سے بہت کم ایسے ہونگے جو پورے طور پر صوم و صلوٰۃ کے پابند ہوں۔ اور جو ان ناجائز حظوظ سے اپنے تئیں بچا سکیں جو ابتلاء کے طور پر ان کو پیش آتے رہتے ہیں۔ میں ہمیشہ ان کے منہ دیکھکر حیران رہا اور اکثر کو ایسا پایا کہ ان کی تمام دلی خواہشیں مال و متاع تک خواہ حلال کی وجہ سے ہو یا حرام کے ذریعہ سے محدود تھیں۔ اور بہتوں کو دن رات کی کوششیں صرف اسی مختصر زندگی کی دنیوی ترقی کے لئے مصروف پائیں۔ میں نے ملازمت پیشہ لوگوں کی جماعت میں بہت کم ایسے لوگ پائے کہ جو محض خدا تعالےٰ کی عظمت کو یاد کرکے اخلاق فاضلہ۔ حلم اور کرم اور عفت اور تواضع اور انکسار۔ اور خاکساری۔ اور ہمدردی مخلوق اور پاکباطنی اور اکل حلال اور صدق مقال اور پرہیزگاری کی صفت اپنے اندر رکھتے ہوں۔ بلکہ بہتوں کو تکبر بدچلنی۔ اور لاپرواہی دین اور طرح طرح کے اخلاق رذیلہ میں شیطان کے بھائی پایا۔ اور چونکہ خدا تعالےٰ کی یہ حکمت تھی۔ کہ ہر ایک قسم اور

۱؎ نوٹ میں توام پیدا ہوا تھا۔ ایک لڑکی جو میرے ساتھ تھی وہ چند دنوں کے بعد فوت ہو گئی تھی۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اس طریق پر خدا تعالےٰ نے انثیت کا مادہ مجھ سے بکلی الگ کر دیا۔ منہ

ہر ایک نوع انسان کا مجھے تجربہ حاصل ہوا۔ اس لئے ہر ایک صحبت میں مجھے رہنا پڑا۔ اور بقول صاحب مثنوی رومی وہ تمام ایام سخت کراہت اور درد کے ساتھ میں نے بسر کئے ؎

من بہر جمعیتے نالاں شدم +
جفت خوشحالاں و بدحالاں شدم +
ہر کسے از ظن خود شد یار من
در درون من نجست اسرار من

اور عین میں حضرت والد صاحب مرحوم کی خدمتمیں پھر حاضر ہوا۔ تو بدستور اپنی زمینداری کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ مگر اکثر حصہ قرآن شریف کے تدبر اور تفسیروں۔ اور حدیثوں کے دیکھنے میں صرف ہوتا تھا۔ اور بسا اوقات حضرت والد صاحب کو وہ کتابیں سنایا بھی کرتا تھا۔ اور میرے والد صاحب اپنی ناکامیوں کیوجہ سے اکثر مغموم و مہموم رہتے تھے۔ انہوں نے پیروی مقدمات میں ستر ہزار روپیہ خرچ کیا تھا۔ جس کا انجام آخر ناکامی تھی۔ کیونکہ ہمارے بزرگوں کے دیہات مدت سے ہمارے قبضہ سے نکل چکے تھے۔ اور ان کا واپس آنا ایک خیال خام تھا۔ اسی نامرادی کیوجہ سے حضرت والد صاحب مرحوم ایک نہایت عمیق گرداب غم اور حزن اور اضطراب میں زندگی بسر کرتے تھے۔ مجھے ان حالات کو دیکھکر ایک پاک تبدیلی پیدا کرنیکا موقعہ حاصل ہوتا تھا۔ کیونکہ حضرت والد صاحب کی تلخ زندگی کا نقشہ مجھے ان بے لوث زندگی کا سبق دیتا تھا۔ جو دنیوی کدورتوں سے پاک ہے۔ اگرچہ حضرت مرزا صاحب کے چند دیہات ملکیت باقی تھے۔ اور سرکار انگریزی کیطرف سے کچھ انعام بھی سالانہ مقرر تھا۔ اور ایام ملازمت کی پنشن بھی تھی۔ مگر جو کچھ وہ دیکھ چکے تھے اس لحاظ سے وہ سب کچھ ہیچ تھا۔ اسی وجہ سے وہ ہمیشہ مغموم اور محزون رہتے تھے۔ اور بارہا کہتے تھے کہ جسقدر میں نے اس پلید دنیا کیلئے سعی کی ہے اگر میں وہ سعی دین کے لئے کرتا تو شاید آج قطب وقت یا غوث وقت ہوتا۔ اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

عمر بگذشت و نماندست جز ایامے چند
بہ کہ در یاد کسے صبح کنم شامے چند

اور میں نے کئی دفعہ دیکھا کہ وہ ایک اپنا بنایا ہوا شعر رقت کیساتھ پڑھتے تھے۔ اور وہ یہ ہے ؎

از در تو اے کس ہر بے کسے
نیست امیدم کہ روم نا امید

اور کبھی درد دل سے یہ شعر اپنا پڑھا کرتے تھے ؎

باب دیدہ عشاق و خاکپائے کسی
مرا دلے است کہ در خون تپد بجائے کسی

حضرت عزوجلشانہٗ کے سامنے خالی ہاتھ جانے کی حسرت روز بروز آخری عمر میں انپر غلبہ کرتی گئی تھی۔ بارہا افسوس سے کہا کرتے تھے۔ کہ دنیا کے بیہودہ خرخشوں کے لئے میں نے اپنی عمر ناحق ضایع کر دی۔ ایک مرتبہ حضرت والد صاحب نے یہ خواب بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک بڑے شاہانہ شان کیساتھ میرے مکان کیطرف چلے آتے ہیں۔ جیسا کہ ایک عظیم الشان بادشاہ آتا ہے تو میں اس وقت آپ کی طرف پیشوائی کے لئے دوڑا۔ جب قریب پہونچا تو میں نے سوچا کہ کچھ نذر پیش کرنی چاہیئے۔ یہ کہکر جیب میں ہاتھ ڈالا۔ جس میں صرف ایک روپیہ تھا۔ اور جب غور سے دیکھا تو وہ بھی کھوٹا ہے۔ یہ دیکھکر میں چشم پر آب ہو گیا۔ اور پھر آنکھ کھل گئی۔" اور پھر آپ ہی تعبیر فرمانے لگے۔ کہ دنیا داری کے ساتھ خدا اور رسول کی محبت ایک کھوٹے روپے کیطرح ہے۔ اور فرمایا کرتے تھے۔ کہ میری طرح میرے والد صاحب کا بھی آخر حصہ زندگی کا مصیبت اور غم اور حزن میں ہی گذرا۔ اور جہاں ہاتھ ڈالا آخر ناکامی تھی۔ اور اپنے والد صاحب یعنے میرے پردادا صاحب کا ایک شعر بھی سنایا کرتے تھے۔ جسکا ایک مصرعہ راقم کو بھول گیا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ ع

کہ جب تدبیر کرتا ہوں تو پھر تقدیر ہنستی ہے"

اور یہ غم اور درد ان کا پیرانہ سالی میں بہت بڑھ گیا تھا۔ اسی خیال سے چھ ماہ پہلے حضرت والد صاحب نے اس قصبہ کے وسط میں ایک مسجد تعمیر کی۔ کہ جو اس جگہ کی جامع مسجد ہے۔ اور وصیت کی کہ مسجد کے ایک گوشہ میں میری قبر ہو۔ تا خدائے عزوجل کا نام میرے کان میں پڑتا رہے۔ کیا عجب کہ یہی ذریعہ مغفرت ہو۔ چنانچہ جس دن مسجد کی عمارت بہمہ وجوہ مکمل ہو گئی۔ اور شاید فرش کی چند اینٹیں باقی تھیں کہ حضرت والد صاحب چند روز بیمار رہکر مرض پیچش سے فوت ہو گئے۔ اور اس مسجد کے اسی گوشہ میں جہاں انہوں نے کھڑے ہو کر نشان کیا تھا دفن کئے گئے۔ اللھم ارحمہ وادخلہ الجنۃ آمین۔ قریباً ۸۰ یا ۸۵ سال کی عمر پائی"

ان کی یہ حسرت کی باتیں کہ میں نے کیوں دنیا کے لئے وقت عزیز کھویا اب تک میرے دلپر دردناک اثر ڈال رہی ہیں۔ اور میں جانتا ہوں کہ ہر ایک شخص جو دنیا کا طالب ہوگا۔ آخر اس حسرت کو ساتھ لیجائیگا۔ جسنے سمجھنا ہو سمجھے۔ میری عمر قریباً چونتیس یا پینتیس برس کی ہو گی جب حضرت والد صاحب کا انتقال ہوا۔ مجھے ایک خواب میں بتلایا گیا تھا۔ کہ اب ان کے انتقال کا وقت قریب ہے۔ میں اس وقت لاہور میں تھا۔ جب مجھے یہ خواب آیا تھا۔ تب میں جلدی سے قادیان میں پہونچا۔ اور ان کو مرض زحیر میں مبتلا پایا۔ لیکن یہ امید ہرگز نہ تھی کہ وہ دوسرے دن میرے آنیسے فوت ہو جائیں گے۔ کیونکہ مرض کی شدت کم ہو گئی تھی۔ اور وہ بڑے استقلال سے بیٹھے رہتے تھے۔ دوسرے دن شدت دوپہر کیوقت ہم سب عزیز ان کی خدمت میں حاضر تھے۔ کہ مرزا صاحب نے مہربانی سے مجھے فرمایا کہ اس وقت تم ذرا آرام کر لو۔ کیونکہ جون کا مہینہ تھا۔ اور گرمی سخت پڑتی تھی۔ میں آرام کیلئے ایک چوبارہ میں چلا گیا۔ اور ایک نوکر پیر دبانے لگا۔ کہ اتنے میں تھوڑی سی غنودگی ہو کر مجھے الہام ہوا۔ **والسماء والطارق** یعنے قسم ہے آسمان کی جو قضاء و قدر کا مبدء ہے اور قسم ہے اس حادثہ کی جو آج آفتاب کے غروب کے بعد نازل ہوگا۔ اور مجھے سمجھایا گیا کہ یہ الہام بطور عزا پرسی خدا کیطرف سے ہے۔ اور حادثہ یہ ہے کہ آج ہی تمہارا والد آفتاب کے غروب کے بعد فوت ہو جائیگا"

سبحان اللہ کیا شان خداوند عظیم ہے۔ کہ ایک شخص جو اپنی عمر ضایع ہونیسے حسرت کرتا ہوا فوت ہوا ہے۔ اسکی وفات کو عزا پرسی کے طور پر بیان فرماتا ہے۔ اس بات سے اکثر لوگ تعجب کریں گے۔ کہ خدا تعالےٰ کی عزا پرسی کیا معنے رکھتی ہے مگر یاد رہے کہ حضرت عزوجلشانہٗ جب کسی کو نظر رحمت سے دیکھتا ہے تو ایک دوست کیطرح ایسے معاملات اس سے کرتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ کا ہنسنا بھی جو حدیثوں میں آیا ہے انہی معنوں کے لحاظ سے ہے۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب مجھے حضرت والد صاحب مرحوم کی وفات کی نسبت اللہ جلشانہٗ کیطرف سے یہ الہام ہوا۔ جو میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ تو بشریت کیوجہ سے مجھے خیال آیا کہ بعض وجوہ آمدن حضرت والد صاحب کی زندگی سے وابستہ ہیں۔ پھر نا معلوم ہمیں کیا کیا ابتلا پیش آئیگا۔ تب اسیوقت یہ دوسرا الہام ہوا۔

الیس اللہ بکاف عبدہٗ

یعنے کیا خدا اپنے بندے کو کافی نہیں ہے۔ اور اس الہام نے عجیب سکینت اور اطمینان بخشا۔ اور فولادی میخ کیطرح میرے دلمیں دھنس گیا۔ پس مجھے اس خدائے عزوجل کی قسم ہے۔ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے اپنے اس مبشرانہ الہام کو ایسے طور سے مجھے سچا کرکے دکھلایا کہ میرے خیال اور گمان میں بھی نہ تھا۔ میرا وہ ایسا متکفل ہوا کہ کبھی کسی کا باپ ہرگز ایسا متکفل نہیں ہوگا۔ میرے پر اس کے متواتر وہ احسان ہوئے کہ بالکل محال ہے کہ میں انکا شمار کر سکوں۔ اور میرے والد صاحب اسی دن بعد غروب آفتاب فوت ہو گئے۔ یہ ایک پہلا دن تھا۔ جو میں نے بذریعہ الہام ایسا رحمت کا نشان دیکھا جس کی نسبت میں خیال نہیں کر سکتا کہ میری زندگی میں کبھی منقطع ہو۔ میں نے اس الہام کو انہی دنوں میں ایک نگینہ میں کھدوا کر اس کی انگشتری بنائی۔ جو بڑی حفاظت سے ابتک رکھی ہوئی ہے۔ غرض میری زندگی قریب قریب چالیس برس کے زیر سایہ والد بزرگوار کے گذری۔ ایک طرف انکا دنیا سے اٹھایا جانا تھا۔ اور ایک طرف بڑے زور شور سے سلسلہ مکالمات الہیہ کا مجھسے شروع ہوا۔ میں کچھ بیان نہیں کر سکتا کہ میرا کونسا عمل تھا جسکی وجہ سے یہ عنایت الہی شامل حال ہوئی۔ صرف اپنے اندر یہ احساس کرتا ہوں۔ کہ فطرتاً میرے دل کو خدا تعالیٰ کی طرف وفاداری کے ساتھ ایک کشش ہے۔ جو کسی چیز کے روکنے سے رک نہیں سکتی۔ سو یہ اسی کی عنایت ہے۔ میں نے کبھی ریاضات شاقہ بھی نہیں کیں۔ اور نہ زمانہ حال کے بعض صوفیوں کی طرح مجاہدات شدیدہ میں اپنے نفس کو ڈالا اور نہ گوشہ گزینی کے التزام سے کوئی چلہ کشی کی۔ اور نہ خلاف سنت کوئی ایسا عمل رہبانیت کیا۔ جسپر خدا تعالےٰ کے کلام کو اعتراض ہو۔ بلکہ میں ہمیشہ ایسے فقیروں اور بدعت شعار لوگوں سے بیزار رہا۔ جو انواع اقسام کے بدعات میں مبتلا ہیں۔ ہاں حضرت والد صاحب کے زمانہ میں ہی جبکہ ان کا زمانہ وفات بہت نزدیک تھا۔ ایکمرتبہ ایسا اتفاق ہوا۔

کہ ایک بزرگ معمر پاک صورت مجھکو خواب میں دکھائی دیا۔ اور اس نے یہ ذکر کر کے کہ کسی قدر روزے انوار سماوی کی پیشوائی کیلئے رکھنا سنت خاندان نبوت ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ اس سنت اہلبیت کو بجالاؤں۔ سو میں نے کچھ مدت تک التزام صوم کو مناسب سمجھا۔ مگر ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ اس امر کو مخفی طور پر بجالانا بہتر ہے۔ پس میں نے یہ طریق اختیار کیا کہ گھر سے مردانہ نشست گاہ میں اپنا کھانا منگواتا اور پھر وہ کھانا پوشیدہ طور پر بعض یتیم بچوں کو جنکو میں نے پہلے سے تجویز کر کے وقت پر حاضری کے لئے تاکید کر دی تھی دیدیتا۔ اور اس طرح تمام دن روزہ میں گذارتا۔ اور بجز خدا تعالیٰ کے ان روزوں کی کسی کو خبر نہ تھی۔ پھر دو تین ہفتہ کے بعد مجھے معلوم ہوا۔ کہ ایسے روزوں سے جو ایک وقت میں پیٹ بھر کر روٹی کھالیتا ہوں مجھے کچھ بھی تکلیف نہیں۔ بہتر ہے کہ کسی قدر کھانے کو کم کروں۔ سو میں اس روز سے کھانے کو کم کرتا گیا۔ یہانتک کہ میں تمام دن رات میں صرف ایک روٹی پر کفایت کرتا تھا۔ اور اسی طرح اور اسی طرح میں کھانے کو کم کرتا گیا۔ یہانتک کہ صرف چند تولہ روٹی میں سے آٹھ پہر کے بعد میری غذا تھی۔ غالباً آٹھ یا نو ماہ تک میں نے ایسا ہی کیا۔ اور باوجود اس قدر قلت غذا کے کہ دو تین ماہ کا بچہ بھی اس پر صبر نہیں کر سکتا۔ خدا تعالیٰ نے مجھے ہر ایک بلا اور آفت سے محفوظ رکھا۔ اور اس قسم کے روزہ کے عجائبات میں سے جو میرے تجربہ میں آئے وہ لطیف مکاشفات ہیں۔ جو اس زمانہ میں میرے پر کھلے۔ چنانچہ بعض گذشتہ نبیوں کی ملاقاتیں ہوئیں۔ اور جو اعلیٰ طبقہ کے اولیا اس امت میں گذر چکے ہیں۔ ان سے ملاقات ہوئی۔ ایکدفعہ عین بیداری کی حالت میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو معہ حسنین و علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دیکھا۔ اور یہ خواب نہ تھی۔ بلکہ ایک بیداری کی قسم تھی۔ غرض اسی طرح پر کئی مقدس لوگوں کی ملاقاتیں ہوئیں۔ جنکا ذکر کرنا موجب تطویل ہے۔ اور علاوہ اس کے انوار روحانی تمثیلی طور پر برنگ ستون سبز و سرخ ایسے دلکش و دلستان طور پر نظر آتے تھے۔ جنکا بیان کرنا بالکل طاقت تحریر سے باہر ہے۔ وہ نورانی ستون جو سیدھے آسمان کیطرف گئے ہوئے تھے۔ جنمیں سے بعض چمکدار سفید اور بعض سبز اور بعض سرخ تھے۔ ان کو دل سے ایسا تعلق تھا۔ کہ ان کو دیکھکر دلکو نہایت سرور پہونچتا تھا اور دنیا میں کوئی بھی ایسی لذت نہیں ہوگی۔ جیسا کہ ان کو دیکھکر دل اور روح کو لذت آتی تھی۔ میرے خیال میں ہے کہ وہ ستون خدا اور بندہ کی محبت کی ترکیب سے ایک تمثیلی صورت میں ظاہر کئے گئے تھے۔ یعنے وہ ایک نور تھا۔ جو دل سے نکلا۔ اور دوسرا وہ نور تھا۔ جو اوپر سے نازل ہوا تھا۔ اور دونوں کے ملنے سے ایک ستون کی صورت پیدا ہو گئی۔ یہ روحانی امور ہیں۔ کہ دنیا ان کو نہیں پہچان سکتی۔ کیونکہ وہ دنیا کی آنکھوں سے بہت دور ہیں۔ لیکن دنیا میں ایسے بھی ہیں۔ جن کو ان امور سے خبر ملتی ہے۔"

غرض اس مدت تک روزہ رکھنے سے جو میرے پر عجائبات ظاہر ہوئے۔ وہ انواع اقسام کے مکاشفات تھے۔ ایک اور فائدہ مجھے حاصل ہوا۔ کہ میں نے ان مجاہدات کے بعد اپنے نفس کو ایسا پایا۔ کہ میں وقت ضرورت فاقہ کشی پر زیادہ سے زیادہ صبر کر سکتا ہوں۔ میں نے کئی دفعہ خیال کیا کہ اگر ایک موٹا آدمی جو علاوہ فربہی کے پہلوان بھی ہو میرے ساتھ فاقہ کشی کے لئے مجبور کیا جائے۔ تو قبل اس کے کہ مجھے کھانے کیلئے کچھ اضطراب ہو وہ فوت ہو جائے۔ اس سے مجھے یہ ثبوت ملا۔ کہ انسان کسی حد تک فاقہ کشی میں ترقی کر سکتا ہے۔ اور جب تک کسی کا جسم ایسا سختی کش نہ ہو جائے۔ میرا یقین ہے کہ ایسا تنعم پسند روحانی منازل کے لائق نہیں ہو سکتا۔ لیکن میں ہر ایک کو یہ صلاح نہیں دیتا کہ ایسا کرے۔ اور نہ میں نے اپنی مرضی سے ایسا کیا ہے۔ میں نے کئی جاہل درویش ایسے بھی دیکھے ہیں۔ جنہوں نے شدید ریاضتیں اختیار کیں اور آخر یبوست دماغ سے وہ مجنون ہو گئے۔ اور بقیہ عمر ان کی دیوانہ پن میں گذری۔ یا دوسرے امراض سل اور دق وغیرہ میں مبتلا ہو گئے۔ انسانوں کے دماغی قویٰ ایک طرز کے نہیں ہیں۔ پس ایسے اشخاص جنکے فطرتاً قویٰ ضعیف ہیں۔ ان کو کسی قسم کا جسمانی مجاہدہ موافق نہیں پڑ سکتا۔ اور جلد تر کسی خطرناک بیماری میں پڑ جاتے ہیں۔ سو بہتر ہے کہ انسان اپنے نفس کی تجویز سے اپنے تئیں مجاہدہ شدیدہ میں نہ ڈالے۔ اور دین العجائز اختیار رکھے۔ ہاں اگر خدا تعالیٰ کیطرف سے کوئی الہام ہو۔ اور شریعت غرّاء اسلام سے منافی نہ ہو تو اس کو بجا لانا ضروری ہے۔ لیکن آجکل کے نادان فقیر جو مجاہدات سکھلاتے ہیں۔ ان کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ پس ان سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

یاد رہے۔ کہ میں نے کشف صریح کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ سے اطلاع پاکر جسمانی سختی کشی کا حصہ آٹھ یا نو ماہ تک لیا۔ اور بھوک اور پیاس کا مزہ چکھا۔ اور پھر اس طریق کو علی الدوام بجالانا چھوڑ دیا۔ اور کبھی کبھی اسکو اختیار بھی کیا۔ یہ تو سب کچھ ہوا۔ لیکن روحانی سختی کشی کا حصہ ہنوز باقی تھا۔ سو وہ حصہ ان دنوں میں مجھے اپنی قوم کے مولویوں کی بدزبانی اور بدگوئی اور تکفیر اور توہین اور ایسا ہی دوسرے جہلاء کے دشنام اور دل آزاری کو لگیا۔ اور جسقدر یہ حصہ بھی مجھے ملا میری رائے ہے۔ کہ تیرہ سو برس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کم کسی کو ملا ہوگا۔ میرے لئے تکفیر کے فتوے طیار ہو کر مجھے تمام مشرکوں اور عیسائیوں اور دہریوں سے بدتر ٹھیرایا گیا۔ اور قوم کے سفہاء نے اپنے اخباروں اور رسالوں کے ذریعہ سے مجھے وہ گالیاں دیں کہ ابتک مجھے کسی دوسرے کی سوانح میں ان کی نظیر نہیں ملی۔ سو میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں۔ کہ دونوں قسم کی سختی سے میرا امتحان کیا گیا۔

اور پھر جب تیرہویں صدی کا آخیر ہونے لگا۔ اور چودہویں صدی کا ظہور ہونے لگا۔ تو خدا تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ سے مجھے خبر دی کہ اس صدی کا مجدد تو ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کیطرف سے یہ الہام ہوا کہ الرحمٰن علم القرآن۔ لتنذر قوماً ما انذر اٰباؤھم ولتستبین سبیل المجرمین۔ قل انی اُمرت وانا اول المؤمنین۔ یعنے خدا تعالیٰ نے تجھے قرآن سکھلایا۔ اور اس کے صحیح معنے تجھ پر کھولدیئے۔ یہ اسلئے ہوا کہ تا تو ان لوگوں کو بد انجام سے ڈراوے۔ کہ جو بباعث پشت در پشت کی غفلت اور نہ متنبہ کئے جانے کی غلطیوں میں پڑ گئے۔ اور تا ان مجرموں کی راہ کھلجائے۔ کہ جو ہدایت پہنچنے کے بعد بھی راہ راست کو قبول کرنا نہیں چاہتے۔ ان کو کہدو کہ میں مامور من اللہ اور اول المؤمنین ہوں۔ اور یہ الہام براہین احمدیہ میں چھپ چکا ہے۔ جو انہی دنوں میں جنکو آج اٹھارہ سال کا عرصہ ہوتا ہے۔ میں نے تالیف کر کے شائع کی تھی۔ اس کتاب کے الہامات پر نظر غور ڈالنے سے ہر ایک کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ خدا نے کیوں اور کس غرض سے مجھے اس خدمت پر مامور کیا۔ اور کیا حالت موجودہ زمانہ کی اور صدی کا سر اس بات کو چاہتا تھا یا نہیں؟ کہ کوئی شخص ایسے غربت اسلام کے زمانہ اور کثرت بدعات اور سخت بارش بیرونی حملوں کے دنوں میں خدا تعالیٰ کیطرف سے تائید اور تجدید دین کے لئے آوے۔"

اور اس جگہ یہ بات بھی ذکر کرنیکے لائق ہے۔ کہ براہین احمدیہ کے زمانہ تک اس ملک کے اکثر علماء میرے دعوی مجدد ہونے کی تصدیق کرتے تھے۔ اور کم سے کم یہ کہ نہایت حسن ظن سے میرے الہامات پر بڑے بڑے سخت متعصبوں کو بھی کوئی جرح نہ تھی۔ اور اکثر ان میں سے بڑی خوشی سے کہتے تھے۔ کہ خدا نے اسلام کیلئے چودہویں صدی کو مبارک کیا۔ کہ اپنی طرف سے ایک مجدد بھیجا۔ اور بعض نے انمیں سے نہایت اخلاص کے ساتھ براہین احمدیہ کا ریویو بھی لکھا۔ اور اس میں اس قدر میری تعریف کی کہ جسقدر ایک انسان کسی کامل درجہ کے راستباز اور پاک باطن اور خدارسیدہ اور ہمدرد اسلام کی تعریف کر سکتا ہے۔ حالانکہ اس مولوی صاحب کو یہ بھی معلوم تھا۔ کہ براہین احمدیہ میں یہ الہام بھی ہیں۔ جنمیں خدا تعالیٰ نے میرا نام **عیسےٰ اور مسیح موعود** رکھا ہے۔ غرض اس وقت تک کہ تصریح کے ساتھ میری طرف سے دعویٰ مسیح موعود ہونے کا نہیں ہوا تھا۔ اور صرف مجدد چودہویں صدی کا ہونا عام لوگوں میں مشہور ہوا تھا۔ کوئی بڑی مخالفت علماء کیطرف سے نہیں ہوئی۔ بلکہ اکثر ان میں مصدق اور مطیع رہے۔ مگر اس دعوے مسیحیت کیوقت میں عجب طور کا شور علماء میں پھیلا۔ اور ان میں سے اکثر لوگوں نے انواع اقسام کی خیانت سے عوام کو دھوکہ دیا اور بعض نے ان میں سے میری تکفیر کے بارہ میں استفتاء طیار کیا۔ اور بڑی کوشش کر کے صدہا کم فہم اور موٹی عقل والے لوگوں کے اس پر دستخط کرالئے۔ مگر جیساکہ پہلے آثار نبویہ میں لکھا گیا تھا۔ کہ اس آنیوالے امام موعود کی تکفیر ہوگی۔ اس پیشگوئی کو پورا کیا۔ کیونکہ ان پاک نوشتوں کا پورا ہونا ضروری تھا۔ اور تعجب کہ مسیح موعود ہونیکا دعوے میں کوئی ایسی نئی بات نہیں تھی کہ جو براہین احمدیہ میں

اس وقت سے اٹھارہ برس پہلے درج ہو چکی تھی مگر پھر بھی نادان مولویوں نے اس دعوے پر بڑا شور برپا کیا۔ آخر ان کی فتنہ انگیزیوں کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ گھر گھر میں عداوت پڑ گئی۔ مسلمانوں کا ایک گروہ میرے ساتھ ہو گیا۔ اور ایک گروہ کج فہم مولویوں کے پیچھے لگا۔ اور ایک گروہ ایسا رہا کہ نہ موافق اور نہ مخالف۔ اور اگرچہ ہمارا گروہ ابھی بکثرت دنیا میں نہیں پھیلا لیکن پشاور سے لیکر بمبئی اور کلکتہ اور حیدر آباد دکن اور بعض دیار عرب تک ہمارے پیرو دنیا میں پھیل گئے پہلے یہ گروہ پنجاب میں بڑھنا پھولنا گیا۔ اور اب میں دیکھتا ہوں کہ ہندوستان کے اکثر حصوں میں ترقی کر رہا ہے۔ ہمارے گروہ میں عوام کم اور خواص زیادہ ہیں۔ اس گروہ میں بہت سے سرکار انگریزی کے ذی عزت عہدہ دار ہیں۔ جو ڈپٹی کلکٹر اور اکسٹرا اسسٹنٹ اور تحصیلدار وغیرہ معزز عہدوں والے آدمی ہیں۔ ایسا ہی پنجاب اور ہندوستان کے کئی رئیس اور جاگیردار اور اکثر تعلیم یافتہ ایف۔ اے۔ بی۔ اے۔ اور ایم۔ اے۔ اور بڑے بڑے تاجر اس جماعت میں داخل ہیں۔ غرض ایسے لوگ جو عقل اور علم اور عزت اور اقبال رکھتے تھے۔ یا بڑے بڑے عہدوں پر سرکار انگریزی کی طرف سے مامور تھے۔ یا رئیس اور جاگیردار اور تعلقہ دار اور نوابوں کی اولاد تھے۔ اور یا ہندوستان کے قطبوں اور غوثوں کی نسل تھے۔ جن کے بزرگوں کو لاکھوں انسان اعلیٰ درجہ کا ولی اور قطب وقت سمجھتے تھے۔ وہ لوگ اس جماعت میں داخل ہوئے۔ اور ہوتے جاتے ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ کے فضل اور قدرت نے مولویوں کو ان کے ارادوں سے نامراد رکھکر ہماری جماعت کو خارق العادت ترقی دی ہے۔ اور دے رہا ہے۔ وہ لوگ جو درحقیقت پارسا طبع اور خدا ترس اور نوع انسان سے ہمدردی کرنیوالے اور دین کی ترقی کے لئے بدل و جان کوشش کرنیوالے اور خدا تعالیٰ کی عظمت کو دل میں بٹھانیوالے اور عقلمند اور ذکی فہم اور اولوالعزم اور خدا اور رسول سے سچی محبت رکھنے والے ہیں۔ وہ اس جماعت میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ خداوند کریم اس بات کا ارادہ کر رہا ہے کہ اس جماعت کو بڑھاوے اور برکت دے۔ اور زمین کے کناروں تک سعادتمند انسانوں کو کھینچکر اس میں داخل کرے۔

حضرت مسیح موعود کی تعلیم

واضح رہے کہ صرف زبان سے بیعت کا اقرار کرنا کچھ چیز نہیں ہے۔ جبتک دل کی عزیمت سے اس پر پورا پورا عمل نہ ہو۔ پس جو شخص میری تعلیم پر پورا پورا عمل کرتا ہے۔ وہ اس میرے گھر میں داخل ہو جاتا ہے۔ جسکی نسبت خدا تعالیٰ کی کلام میں یہ وعدہ ہے۔ انی احافظ کل من فی الدار یعنے ہر ایک جو تیری چار دیواری کے اندر ہے۔ اس کو بچاؤنگا۔ اس جگہ یہ نہیں سمجھنا چاہیئے۔ کہ وہی لوگ میرے گھر کے اندر ہیں۔ جو میرے اس خاک و خشت کے گھر میں بود و باش رکھتے ہیں۔ بلکہ وہ لوگ بھی جو میری پوری پیروی کرتے ہیں۔ میرے روحانی گھر میں داخل ہیں پیروی کرنے کیلئے یہ باتیں ہیں۔ کہ وہ یقین کریں کہ ان کا ایک قادر اور قیوم اور خالق الکل خدا ہے۔ جو اپنی صفات میں ازلی ابدی اور غیر متغیر ہے۔ نہ وہ کسی کا بیٹا نہ کوئی اسکا بیٹا۔ وہ دکھ اٹھانے اور صلیب پر چڑھنے اور مرنے سے پاک ہے۔ وہ ایسا ہے کہ باوجود دور ہونیکے نزدیک ہے۔ اور باوجود نزدیک ہونے کے وہ دور ہے۔ اور باوجود اس کے ایک ہونیکے اس کی تجلیات الگ الگ ہیں۔ انسان کیطرف سے جب ایک نئے رنگ کی تبدیلی ظہور میں آوے۔ تو اس کے لئے وہ ایک ایسا نیا خدا ہو جاتا ہے اور ایک نئی تجلی کے ساتھ اس سے معاملہ کرتا ہے۔ اور انسان بقدر اپنی تبدیلی کے خدا میں بھی تبدیلی دیکھتا ہے مگر یہ نہیں کہ خدا میں کچھ تغیر آجاتا ہے۔ بلکہ وہ ازل سے غیر متغیر اور کمال تام رکھتا ہے۔ لیکن انسانی تغیرات کے وقت جب نیکی کی طرف انسان کے تغیر ہوتے ہیں۔ تو خدا بھی ایک نئی تجلی سے اس پر ظاہر ہوتا ہے۔ اور ہر ایک ترقی یافتہ حالت کیوقت جو انسان سے ظہور میں آتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی قادرانہ تجلی بھی ایک ترقی کیساتھ ظاہر ہوتی ہے۔ وہ خارق عادت قدرت اسی جگہ دکھلاتا ہے۔ جہاں خارق عادت تبدیلی ظاہر ہوتی ہے۔ خوارق اور معجزات کی یہی جڑ ہے۔ یہ خدا ہے۔ جو ہمارے سلسلہ کی شرط ہے۔ اس پر ایمان لاؤ۔ اور اپنے نفس پر اور اپنے آراموں پر اور اس کے کل تعلقات پر اس کو مقدم رکھو اور عملی طور پر بہادری کے ساتھ اس کی راہ میں صدق و وفا دکھلاؤ۔ دنیا اپنے اسباب اور اپنے عزیزوں پر اس کو مقدم نہیں رکھتی مگر تم اس کو مقدم رکھو تا تم آسمان پر اس کی جماعت لکھے جاؤ۔ رحمت کے نشان دکھلانا قدیم سے خدا کی عادت ہے۔ مگر تم اس حالت میں اس عادت سے حصہ لے سکتے ہو۔ کہ تم میں اور اس میں کچھ جدائی نہ رہے اور تمہاری مرضی اسکی مرضی اور تمہاری خواہشیں اسکی خواہشیں ہو جائیں۔ اور تمہارا سر ہر ایک وقت اور ہر ایک حالت مرادیابی اور نامرادی میں اس کے آستانہ پر پڑا رہے۔ تا جو چاہے سو کرے۔ اگر تم ایسا کروگے تو تم میں وہ خدا ظاہر ہوگا۔ جس نے مدت سے اپنا چہرہ چھپا لیا ہے کیا کوئی تم میں ہے جو اس پر عمل کرے اور اس کی رضا کا طالب ہو جائے۔ اور اسکی قضا و قدر پر ناراض نہ ہو۔ سو تم مصیبت کو دیکھکر اور بھی قدم آگے رکھو۔ کہ یہ تمہاری ترقی کا ذریعہ ہے اور اس کی توحید زمین پر پھیلانے کیلئے اپنی تمام طاقت سے کوشش کرو اور اس کے بندوں پر رحم کرو۔ اور انپر زبان یا ہاتھ یا کسی تدبیر سے ظلم نہ کرو۔ اور مخلوق کی بھلائی کے لئے کوشش کرتے رہو۔ اور کسی پر تکبر نہ کرو۔ گو اپنا ماتحت ہو۔ اور کسی کو گالی مت دو۔ گو وہ گالی دیتا ہو۔ غریب اور حلیم اور نیک نیت

اور مخلوق کے ہمدرد بنجاؤ۔ تا قبول کئے جاؤ۔ بہت ہیں جو حلم ظاہر کرتے ہیں۔ مگر وہ اندر سے بھیڑیے ہیں۔ بہت ہیں۔ جو اوپر سے صاف ہیں۔ مگر اندر سے سانپ ہیں سو تم اس کی جناب میں قبول نہیں ہو سکتے۔ جب تک ظاہر و باطن ایک نہ ہو۔ بڑے ہو کر چھوٹوں پر رحم کرو نہ انکی تحقیر اور عالم ہو کر نادانوں کو نصیحت کرو نہ خود نمائی سے ان کی تذلیل اور امیر ہو کر غریبوں کی خدمت کرو نہ خود پسندی سے ان پر تکبر۔ ہلاکت کی راہوں سے ڈرو۔ خدا سے ڈرتے رہو۔ اور تقویٰ اختیار کرو۔ اور مخلوق کی پرستش نہ کرو۔ اور اپنے مولیٰ کی طرف منقطع ہو جاؤ۔ اور دنیا سے دل برداشتہ رہو اور اسی کے ہو جاؤ۔ اور اسی کے لئے زندگی بسر کرو۔ اور اس کے لئے ہر ایک ناپاکی اور گناہ سے نفرت کرو۔ کیونکہ وہ پاک ہے۔ چاہیئے کہ ہر ایک صبح تمہارے لئے گواہی دے۔ کہ تم نے تقویٰ سے رات بسر کی۔ اور ہر ایک شام تمہارے لئے گواہی دے۔ کہ تم نے ڈرتے ڈرتے دن بسر کیا۔ دنیا کی لعنتوں سے مت ڈرو کہ وہ دھوئیں کیطرح دیکھتے دیکھتے غائب ہو جاتی ہیں۔ اور وہ دن کو رات نہیں کر سکتیں۔ بلکہ تم خدا کی لعنت سے ڈرو جو آسمان سے نازل ہوتی اور جسپر پڑتی ہے اس کی دونوں جہانوں میں بیخکنی کر جاتی ہے۔ تم ریاکاری کیساتھ اپنے تئیں بچا نہیں سکتے۔ کیونکہ وہ خدا جو تمہارا خدا ہے اس کی انسان کے پاتال تک نظر ہے۔ کیا تم اس کو دھوکا دے سکتے ہو۔ پس تم سیدھے ہو جاؤ۔ اور صاف ہو جاؤ۔ اور پاک ہو جاؤ۔ اور کھرے ہو جاؤ۔ اگر ایک ذرہ تیرگی تم میں باقی ہے۔ تو وہ تمہاری ساری روشنی کو دور کر دے گی اور اگر تمہارے کسی پہلو میں تکبر ہے یا ریا ہے۔ یا خود پسندی ہے یا کسل ہے۔ تو تم ایسی چیز نہیں ہو کہ جو قبول کے لائق ہو ایسا نہ ہو کہ تم صرف چند باتوں کو لیکر اپنے تئیں دھوکہ دو کہ جو کچھ ہمنے کرنا تھا کر لیا ہے۔ کیونکہ خدا چاہتا ہے کہ تمہاری ہستی پر پورا پورا انقلاب آوے اور وہ تم سے ایک موت مانگتا ہے۔ جس کے بعد وہ تمہیں زندہ کریگا۔ تم آپس میں جلد صلح کرو۔ اور اپنے بھائیوں کے گناہ بخشو۔ کیونکہ شریر ہے وہ انسان جو اپنے بھائی کیساتھ صلح پر راضی نہیں۔ وہ کاٹا جائیگا۔ کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے۔ تم اپنی نفسانیت ہر ایک پہلو سے چھوڑ دو۔ اور باہمی ناراضگی جانے دو۔ اور سچے ہو کر جھوٹے کیطرح تذلل کرو۔ تا تم بخشے جاؤ۔ نفسانیت کی فربہی چھوڑ دو کہ جس دروازے کیلئے تم بلائے گئے ہو۔ اس میں سے ایک فربہ انسان داخل نہیں ہو سکتا۔ کیا ہی بدقسمت وہ شخص ہے۔ جو ان باتوں کو نہیں مانتا۔ جو خدا کے منہ سے نکلیں اور میں نے بیان کیں۔ تم اگر چاہتے ہو۔ کہ آسمان پر خدا تم سے راضی ہو۔ تو تم باہم ایسے ایک ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ میں سے دو بھائی۔ تم میں سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ اپنے بھائی کے گناہ بخشتا ہے۔ اور بدبخت ہے وہ جو ضد کرتا ہے اور نہیں بخشتا۔ سو اسکا مجھ میں حصہ نہیں۔ خدا کی لعنت سے بہت خائف رہو۔ کہ وہ قدوس اور غیور ہے۔ بدکار خدا کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ متکبر اسکا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ ظالم اسکا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ خائن اسکا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ اور ہر ایک جو اسکے نام کیلئے غیرت مند نہیں اسکا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ وہ جو دنیا پر کتوں

یا گندوں کی طرح گرتے ہیں۔ اور دنیا کے آرام یافتہ ہیں خدا اس کا قرب حاصل نہیں کر سکتے۔ ہر ایک ناپاک آنکھ اس سے دور ہے ہر ایک ناپاک دل اس سے بے خبر ہے۔ وہ جو اس کے لئے آگ میں ہے وہ آگ سے نجات دیا جائیگا۔ وہ جو اس کے لئے روتا ہے وہ ہنسے گا۔ وہ جو اس کے لئے دنیا سے توڑتا ہے۔ وہ اس کو ملیگا۔ تم سچے دل سے اور پورے صدق سے اور سرگرمی کے قدم سے خدا کے دوست بنو۔ تا وہ بھی تمہارا دوست بن جاوے تم ماتحتوں پر اور اپنی بیویوں پر اور اپنے غریب بھائیوں پر رحم کرو تا آسمان پر تم پر بھی رحم ہو۔ تم سچ مچ اس کے ہو جاؤ تا وہ بھی تمہارا ہو جاوے۔ دنیا ہزاروں بلاؤں کی جگہ ہے جن میں سے ایک طاعون بھی ہے۔ سو تم خدا سے صدق کیساتھ پنجہ مارو تا وہ یہ بلائیں تم سے دور رکھے کوئی آفت زمین پر پیدا نہیں ہوتی جبتک آسمان سے حکم نہ ہو اور کوئی آفت دور نہیں ہوتی جبتک آسمان سے رحم نازل نہ ہو۔ سو تمہاری عقلمندی اسی میں ہے۔ کہ تم جڑ کو پکڑو نہ شاخ کو۔ تمہیں دوا اور تدبیر سے ممانعت نہیں مگر ان پر بھروسہ کرنے سے ممانعت ہے اور آخر وہی ہوگا جو خدا کا ارادہ ہوگا۔ اگر کوئی طاقت رکھے تو توکل کا مقام ہر ایک مقام سے بڑھ کر ہے۔ اور تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے۔ کہ قرآن شریف کو مہجور کیطرح نہ چھوڑ دو۔ کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے۔ جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے۔ وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔ جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے۔ ان کو آسمان پر مقدم رکھا جائیگا۔ نوع انسان کے لئے روئے زمین پر کوئی کتاب نہیں مگر قرآن۔ اور تمام آدم زادوں کیلئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں۔ مگر محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ۔ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنیکے بعد ظاہر ہوگی بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے **نجات یافتہ کون ہے؟** جو یقین رکھتا ہے۔ جو خدا سچ ہے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے۔ اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے۔ اور کسی کے لئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر **یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لئے زندہ ہے**۔ اور اس کے ہمیشہ زندہ رہنے کیلئے خدا نے یہ بنیاد ڈالی ہے کہ اس کے افاضہ تشریعی اور روحانی کو قیامت تک جاری رکھا۔ اور آخر کار اس کی روحانی فیض رسانی سے اس **مسیح موعود** کو دنیا میں بھیجا جس کا آنا اسلامی عمارت کی تکمیل کیلئے ضروری تھا۔ کیونکہ ضرور تھا کہ یہ دنیا ختم نہ ہو۔ جب تک کہ محمدی سلسلہ کیلئے ایک مسیح روحانی رنگ کا نہ دیا جاتا۔ جیسا کہ موسوی سلسلہ کیلئے دیا گیا تھا۔ اسی طرف یہ آیۃ اشارہ کرتی ہے۔ کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم موسے نے وہ متاع پائی۔ جسکو قرون اولیٰ کھو چکے تھے۔ اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ متاع پائی۔ جس کو موسیٰ کا سلسلہ کھو چکا تھا۔ اب محمدی سلسلہ موسوی سلسلہ کے قایم مقام ہے۔ مگر شان میں ہزارہا درجہ بڑھ کر مثیل موسیٰ موسیٰ سے بڑھکر اور مثیل ابن مریم ابن مریم سے بڑھکر اور وہ مسیح موعود نہ صرف مدت کے لحاظ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد چودھویں صدی میں ظاہر ہوا (یہودی اپنی تاریخ کی رو سے بالاتفاق یہی مانتے ہیں کہ موسیٰ سے چودھویں صدی کے سر پر عیسے ظاہر ہوا تھا۔ دیکھو یہودیوں کی تاریخ) جیسا کہ مسیح ابن مریم موسے کے بعد چودھویں صدی میں ظاہر ہوا تھا بلکہ وہ ایسے وقت میں آیا جبکہ مسلمانوں کا وہی حال تھا۔ جیسا کہ مسیح ابن مریم کے ظہور کے وقت یہودیوں کا حال تھا۔ سو وہ **میں ہی ہوں**۔ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے نادان ہے وہ جو اس سے لڑے اور جاہل ہے وہ جو اس کے مقابل پر یہ اعتراض کرے کہ یوں نہیں بلکہ یوں چاہیئے تھا۔ اور اس نے مجھے چمکتے ہوئے نشانوں کے ساتھ بھیجا ہے جو دس ہزار سے بھی زیادہ ہیں۔ ازاں جملہ ایک طاعون بھی نشان ہے پس جو شخص مجھ سے سچی بیعت کرتا ہے اور سچے دل سے میرا پیرو بنتا ہے۔ اور میری اطاعت میں محو ہو کر اپنے تمام ارادوں کو چھوڑتا ہے وہی ہے جو ان آفتوں کے دنوں میں میری روح اس کی شفاعت کرے گی **سو اے وے تمام لوگو!** جو اپنے تئیں میری جماعت شمار کرتے ہو آسمان پر تم اس وقت میری جماعت شمار کئے جاؤ گے جب سچ مچ تقوی کی راہوں پر قدم مارو گے۔ سو اپنی پنجوقتہ نمازوں کو ایسے خوف اور حضور سے ادا کرو کہ گویا تم خدا تعالےٰ کو دیکھتے ہو۔ اور اپنے روزوں کو خدا کیلئے صدق کیساتھ پورے کرو۔ ہر ایک جو زکوٰۃ کے لایق ہے وہ زکوٰۃ دے اور جس پر حج فرض ہو چکا ہے۔ اور کوئی مانع نہیں وہ حج کرے۔ نیکی کو سنوار کر ادا کرو۔ اور بدی کو بیزار ہو کر ترک کرو یقیناً یاد رکھو کہ کوئی عمل خدا تک نہیں پہنچ سکتا جو تقویٰ سے خالی ہے ہر ایک نیکی کی جڑ تقویٰ ہے۔ جس عمل میں یہ جڑ ضایع نہیں ہوگی وہ عمل بھی ضایع نہیں ہوگا ضرور ہے کہ انواع رنج و مصیبت سے تمہارا امتحان بھی ہو جیسا کہ پہلے مومنوں کے امتحان ہوئے **سو خبردار رہو** ایسا نہ ہو کہ ٹھوکر کھاؤ۔ زمین تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی۔ اگر تمہارا آسمان سے پختہ تعلق ہے جب کبھی تم اپنا نقصان کرو گے تو اپنے ہاتھوں سے نہ دشمن کے ہاتھوں سے۔ اگر تمہاری زمینی عزت ساری جاتی رہے تو خدا تمہیں ایک لازوال عزت آسمان پر دیگا۔ سو تم اس کو مت چھوڑو اور ضرور ہے کہ تم دکھ دیئے جاؤ اور اپنی کئی امیدوں سے بے نصیب کئے جاؤ۔ سو ان صورتوں سے تم دلگیر مت ہو کیونکہ تمہارا خدا تمہیں آزماتا ہے کہ تم اس کی راہ میں ثابت قدم ہو یا نہیں اگر تم چاہتے ہو کہ آسمان پر فرشتے بھی تمہاری تعریف کریں تو تم ماریں کھاؤ اور خوش رہو اور گالیاں سنو اور شکر کرو اور ناکامیاں دیکھو۔ اور پیوند مت توڑو تم خدا کی آخری جماعت ہو۔ سو وہ عمل نیک دکھلاؤ جو اپنے کمال میں انتہائی درجہ پر ہو ہر ایک جو تم میں سست ہو جائیگا وہ ایک گندی چیز کیطرح جماعت سے باہر پھینک دیا جائیگا اور حسرت سے مرے گا۔ اور خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ دیکھو میں بہت خوشی سے خبر دیتا ہوں کہ تمہارا خدا درحقیقت موجود ہے اگرچہ سب اسی کی مخلوق ہے لیکن وہ اس شخص کو چن لیتا ہے جو اس کو چنتا ہے وہ اس کے پاس آ جاتا ہے جو اس کے پاس جاتا ہے۔ جو اس کو عزت دیتا ہے وہ اسکو بھی عزت دیتا ہے۔

تم اپنے دلوں کو سیدھے کر کے اور زبانوں۔ اور آنکھوں اور کانوں کو پاک کر کے اس کی طرف آجاؤ کہ وہ تمہیں قبول کریگا۔ عقیدہ کے رو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا ایک اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم اس کا نبی ہے۔ اور وہ خاتم الانبیاء ہے۔ اور سب سے بڑھکر ہے۔ اب بعد اس کے کوئی نبی نہیں مگر وہی جس پر بروزی طور سے محمدیت کی چادر پہنائی گئی کیونکہ خادم اپنے مخدوم سے جدا نہیں۔ اور نہ شاخ اپنی بیخ سے جدا ہے۔ پس جو کامل طور پر مخدوم میں فنا ہو کر خدا سے **نبی کا لقب** پاتا ہے وہ ختم نبوت کا خلل انداز نہیں جیسا کہ تم آئینہ میں اپنی شکل دیکھو تو تم دو نہیں ہو سکتے بلکہ ایک ہی ہو اگرچہ بظاہر دو نظر آتے ہیں صرف ظل اور اصل کا فرق ہے۔ سو ایسا ہی خدا نے مسیح موعود میں چاہا **یہی بھید ہے کہ** آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسیح موعود میری قبر میں دفن ہوگا یعنی وہ **میں ہی ہوں** اور اس میں دوئی نہیں آتی۔ اور تم یقیناً[۱] سمجھو کہ عیسے ابن مریم فوت ہو گیا ہے اور کشمیر سرینگر محلہ خانیار میں اس کی قبر ہے۔ خدا تعالےٰ نے اپنی کتاب عزیز میں اس کے مرنے کی خبر دی ہے۔ اور اگر اس آیت کے اور معنے ہیں تو عیسیٰ ابن مریم کی موت کی قرآن میں کہاں خبر ہے۔ مرنیکے متعلق جو آیتیں ہیں۔ اگر وہ اور معنے رکھتی ہیں جیسا کہ ہمارے مخالف سمجھتے ہیں۔ تو گویا قرآن نے اس کے مرنیکا کہیں ذکر نہیں کیا۔ کیا وہ کسی وقت مریگا بھی؟ خدا نے ہمارے نبی کے مرنیکی خبر دی مگر سارے قرآن میں عیسے کے مرنیکی خبر نہ دی۔ اس میں کیا راز ہے اور اگر کہو کہ عیسے کے مرنیکی اس آیت میں خبر ہے کہ فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم[۵] سو یہ آیت تو صاف دلالت کرتی ہے۔ کہ وہ عیسائیوں کے بگڑنے سے پہلے مر چکے ہیں غرض گر

---

[۱] نوٹ۔ عیسائی محققوں نے اسی رائے کو ظاہر کیا ہے۔ دیکھو کتاب سوپر نیچرل ریلیجن ۵۲۲۔ اگر تفصیل چاہتے ہو تو ہماری کتاب تحفہ گولڑویہ کا صفحہ ۱۳۵ دیکھو منہ۔

[۵] اسی آیۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسے علیہ السلام پھر دنیا میں نہیں آئیں گے۔ کیونکہ اگر وہ دنیا میں آنیوالے ہوتے تو اس صورت میں یہ جواب حضرت عیسے کا محض جھوٹ ٹھیرتا ہے کہ مجھے عیسائیوں کے بگڑنے کی کچھ خبر نہیں۔ جو شخص دوبارہ دنیا میں آیا۔ اور چالیس برس رہا اور کروڑہا عیسائیوں کو دیکھا جو اسکو خدا جانتے تھے اور صلیب توڑا اور تمام عیسائیوں کو مسلمان کیا وہ کیونکر قیامت کو جناب الٰہی میں یہ عذر کر سکتا ہے کہ مجھے عیسائیوں کے بگڑنے کی کچھ خبر نہیں۔ منہ

مگر آیت فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کے یہ معنے کہ مع جسم زندہ عیسےٰ کو آسمان پر اٹھا لیا۔ تو کیوں خدا نے سارے قرآن میں ایسے شخص کی موت کا ذکر نہیں کیا۔ جسکی زندگی کے خیال نے لاکھوں کو ہلاک کر دیا۔ گویا خدا نے اسکو ہمیشہ کے لئے زندہ رہنے دیا۔ کہ تا لوگ مشرک اور بے دین ہو جائیں۔ اور گویا یہ لوگوں کی غلطی نہیں بلکہ خدا نے یہ سب کچھ خود کیا تا لوگوں کو گمراہ کرے۔ خوب یاد رکھو کہ بجز موت مسیح صلیبی عقیدہ پر موت نہیں آسکتی سو اس سے فایدہ کیا کہ برخلاف تعلیم قرآن اس کو زندہ سمجھا جائے۔ اس کو مرنے دو تا یہ دین زندہ ہو خدا نے اپنے قول سے مسیح کی موت ظاہر کی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات اس کو مردوں میں دیکھ لیا۔ اب بھی تم ماننے میں نہیں آتے۔ یہ کیسا ایمان ہے؟ کیا انسانوں کی روایتوں کو خدا کے کلام پر مقدم رکھتے ہو۔ یہ کیا دین ہے[۱۵] اور ہمارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف گواہی دی کہ میں نے مردہ روحوں میں عیسیٰ کو دیکھا۔ بلکہ خود مر کر بھی ظاہر کر دیا۔ کہ اس سے پہلے کوئی زندہ نہیں رہا۔ پس ہمارے مخالف جیسا کہ قرآن کو چھوڑتے ہیں ویسا ہی سنت کو بھی چھوڑتے ہیں۔ کیونکہ مرنا ہمارے نبی کی سنت ہے۔ اگر عیسےٰ زندہ تھا تو مرنے میں ہمارے رسول کی بےعزتی تھی۔ تو تم نہ اہلسنت ہو اور نہ اہل قرآن جبتک عیسےٰ کی موت کے قایل نہ ہو اور میں حضرت عیسےٰ کی شان کا منکر نہیں گو خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ مسیح محمدی مسیح موسوی سے افضل ہے۔ لیکن تاہم میں مسیح ابن مریم کی بہت عزت کرتا ہوں۔ کیونکہ میں روحانیت کی رو سے اسلام میں خاتم الخلفا ہوں۔ جیسا کہ مسیح ابن مریم اسرائیلی سلسلہ کے لئے خاتم الخلفا تھا۔ موسےٰ کے سلسلہ میں ابن مریم مسیح موعود تھا۔ اور محمدی سلسلہ میں میں مسیح موعود ہوں۔ سو میں اس کی عزت کرتا ہوں جسکا ہمنام ہوں اور مفسد اور مفتری ہے وہ شخص جو مجھے کہتا ہے کہ میں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا۔ بلکہ مسیح تو مسیح میں تو اس کے چاروں بھائیوں کی بھی عزت کرتا ہوں۔ کیونکہ پانچوں

---

[۱۵] قرآن شریف میں ایک آیۃ میں بھی کشمیر کیطرف اشارہ ہے کہ مسیح اور اسکی والدہ صلیب کے واقعہ کے بعد کشمیر کیطرف چلے گئے۔ جیسا کہ فرماتا ہے وَاٰوَیْنٰهُمَاۤ اِلٰی رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِیْنٍ یعنی ہمنے عیسےٰ اور اسکی والدہ کو ایک ایسے ٹیلے پر جگہ دی جو آرام کی جگہ تھی۔ اور پانی صاف یعنی چشموں کا پانی وہاں تھا۔ سو اس میں خدا تعالےٰ نے کشمیر کا نقشہ کھینچ دیا ہے اور اوٰی کا لفظ لغت عرب میں کسی مصیبت یا تکلیف سے پناہ دینے کیلئے آتا ہے اور صلیب سے پہلے عیسےٰ اور اس کی والدہ پر کوئی زمانہ مصیبت کا نہیں گذرا جس سے پناہ دیجاتی۔ پس متعین ہوا کہ خدا تعالےٰ نے عیسےٰ اور اسکی والدہ کو واقعہ صلیب کے بعد اس ٹیلے پر پہونچایا تھا۔ منہ

[۱۶] یسوع مسیح کے چار بھائی اور دو بہنیں تھیں۔ یہ سب یسوع کے حقیقی بھائی اور حقیقی بہنیں تھیں۔ یعنے سب یوسف اور مریم کی اولاد تھے۔ چار بھائیوں کے نام یہ ہیں۔ یہودا۔ یعقوب۔ شمعون۔ یوزس۔ اور دو بہنوں کے نام یہ تھے۔ آسیا۔ لیدیا دیکھو کتاب اپاسٹولک ریکارڈس مصنفہ پادری جان ایلن گائیلز

ایک ہی ماں کے بیٹے ہیں۔ نہ صرف اسی قدر بلکہ میں تو حضرت مسیح کی دونوں حقیقی ہمشیروں کو بھی مقدسہ سمجھتا ہوں کیونکہ یہ سب بزرگ مریم بتول کے پیٹ سے ہیں۔ اور مریم کی وہ شان ہے جس نے ایک مدت تک اپنے تئیں نکاح سے روکا۔ پھر بزرگان قوم کے اصرار سے بوجہ حمل کے نکاح کر لیا۔ گو لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ برخلاف تعلیم توریت عین حمل میں کیونکر نکاح کیا گیا۔ اور بتول ہونے کے عہد کو کیوں ناحق توڑا گیا۔ اور تعدد ازدواج کی کیوں بنیاد ڈالی گئی یعنے باوجود یوسف نجار کی پہلی بیوی کے ہونے کے پھر مریم کیوں راضی ہوئی۔ کہ یوسف نجار کے نکاح میں آوے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ سب مجبوریاں تھیں۔ جو پیش آگئیں اس صورت میں وہ لوگ قابل رحم تھے۔ نہ قابل اعتراض!۔

سوال سب باتوں کے بعد پھر میں کہتا ہوں۔ کہ یہ مت خیال کرو کہ ہم نے ظاہری طور پر بیعت کر لی ہے۔ ظاہر کچھ چیز نہیں خدا تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔ اور اسی کے موافق تم سے معاملہ کرے گا۔ دیکھو میں یہ کہکر فرض تبلیغ سے سبکدوش ہوتا ہوں کہ گناہ ایک زہر ہے اس کو مت کھاؤ۔ خدا کی نافرمانی ایک گندی موت ہے اس سے بچو دعا کرو۔ تا تمہیں طاقت ملے۔ جو شخص دعا کے وقت خدا کو ہر ایک بات پر قادر نہیں سمجھتا بجز وعدہ کی مستثنیات کے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص دنیا کے لالچ میں پھنسا ہوا ہے۔ اور آخرت کیطرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم نہیں رکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص پورے طور پر ہر ایک بدی سے اور ہر ایک بدعملی سے یعنے شراب سے قمار بازی سے بدنظری سے اور خیانت سے رشوت سے اور ہر ایک ناجائز تصرف سے توبہ نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ جو شخص پنجگانہ نماز کا التزام نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص دعا میں لگا نہیں رہتا اور انکسار سے خدا کو یاد نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص بد رفیق کو نہیں چھوڑتا جو اس پر بد اثر ڈالتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اپنے ماں باپ کی عزت نہیں کرتا اور امور معروفہ میں جو خلاف قرآن نہیں ہیں ان کی بات کو نہیں مانتا اور ان کی تعہد خدمت سے لاپرواہ ہے۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے نرمی اور احسان کے ساتھ معاشرت نہیں کرتا۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے جو شخص اپنے ہمسایہ کو ادنے ادنے خیر سے بھی محروم رکھتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص نہیں چاہتا کہ اپنے قصور وار کا گناہ بخشے اور کینہ پرور آدمی ہے۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اپنے عہد کو جو اس نے بیعت کے وقت کیا تھا۔ کسی پہلو سے توڑتا ہے۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص مجھے فی الواقع مسیح موعود و مہدی معہود نہیں سمجھتا۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ اور جو شخص امور معروفہ میں میری اطاعت کرنے کیلئے طیار نہیں ہے۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ اور جو شخص مخالفوں کی جماعت میں بیٹھتا ہے۔ اور ہاں میں ہاں ملاتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ ہر ایک زانی۔ فاسق۔ شرابی۔ خونی۔ چور۔ قمار باز۔ خائن۔ مرتشی۔ غاصب۔ ظالم دروغگو۔ جعلساز۔ اور انکا ہمنشین اور اپنے بھائیوں اور بہنوں پر تہمتیں لگانیوالا جو اپنے افعال شنیعہ سے توبہ نہیں کرتا اور خراب مجلسوں کو نہیں چھوڑتا۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ یہ سب زہریں ہیں۔ تم ان زہروں کو کھا کر کسی طرح بچ نہیں سکتے۔ اور تاریکی اور روشنی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی۔ ہر ایک جو پیچ در پیچ طبیعت رکھتا ہے۔ اور خدا کے ساتھ صاف نہیں ہے۔ وہ اس برکت کو ہرگز نہیں پا سکتا۔ جو صاف دلوں کو ملتی ہے۔ کیا ہی خوش قسمت وہ لوگ ہیں جو اپنے دلوں کو صاف کرتے ہیں۔ اور اپنے دلوں کو ہر ایک آلودگی سے پاک کر لیتے ہیں۔ اور اپنے خدا سے وفاداری کا عہد باندھتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہرگز ضایع نہیں کئے جائیں گے۔ ممکن نہیں کہ خدا ان کو رسوا کرے۔ کیونکہ وہ خدا کے ہیں۔ اور خدا ان کا۔ وہ ہر ایک بلا کے وقت بچائے جائیں گے۔ احمق ہے وہ دشمن جو ان کا قصد کرے۔ کیونکہ وہ خدا کی گود میں ہیں اور خدا ان کی حمایت میں

کون خدا پر ایمان لایا؟

صرف وہی جو ایسے ہیں۔ ایسا ہی وہ شخص بھی احمق ہے۔ جو ایک بیباک گنہگار اور بدباطن اور شریر النفس کے فکر میں ہے کیونکہ وہ خود ہلاک ہوگا۔ جب سے خدا نے آسمان اور زمین کو بنایا ہے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ اس نے نیکوں کو تباہ اور ہلاک اور نیست و نابود کر دیا ہو۔ بلکہ وہ ان کے لئے بڑے بڑے کام دکھلاتا رہا ہے۔ اور اب بھی دکھلائیگا۔ وہ خدا نہایت وفادار خدا ہے اور وفاداروں کے لئے اس کے عجیب کام ظاہر ہوتے ہیں۔ دنیا چاہتی ہے کہ ان کو کھا جائے اور ہر ایک دشمن ان پر دانت پیستا ہے۔ مگر وہ جو ان کا دوست ہے ہر ایک ہلاکت کی جگہ سے ان کو بچاتا ہے اور ہر ایک میدان میں ان کو فتح بخشتا ہے۔ کیا ہی نیک طالع وہ شخص ہے جو اس خدا کا دامن نہ چھوڑے۔ ہم اس پر ایمان لائے ہمنے اس کو شناخت کیا۔ تمام دنیا کا وہی خدا ہے جس نے مجھ پر وحی نازل کی جس نے میرے لئے زبردست نشان دکھلائے جسنے مجھے اس زمانہ کے لئے مسیح موعود کر کے بھیجا اس کے سوا کوئی خدا نہیں نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ جو شخص اس پر ایمان نہیں لاتا۔ وہ سعادت سے محروم اور خذلان میں گرفتار ہے۔ ہم نے اپنے خدا کی آفتاب کیطرح روشن وحی پائی۔ ہمنے اسے دیکھ لیا کہ دنیا کا وہی خدا ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں۔ کیا ہی قادر اور قیوم خدا ہے جس کو ہمنے پایا۔ کیا ہی زبردست قدرتوں کا مالک ہے۔ جسکو ہمنے دیکھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کے